خطیبِ آلِ محمدؐ

مولانا السید اظہر حسن زیدی اعلی اللہ مقامہ کی تقاریر کا مجموعہ

حصہ چہارم

مرتب
ظفر عباس سید
ایم اے

پاک کتب خانہ ۔ اردو بازار ۔ راولپنڈی

سید محمد بشیر الاسیر

مجموعۂ تقاریر

(حضرت مولینا السید اظہر حسن زیدی مدظلہٗ العالی)

حصہ چہارم

مُرتّب

خضر عبّاس سیّد

ناشران:۔ پاک کتب خانہ اردو بازار، راولپنڈی

حسینؑ!

تو نے دُنیا میں ایک ایسا باغ لگا دیا ہے جسکے
پھل
انسانیت کو ہمیشہ ملتے رہیں گے۔ اور جسکے درختوں کے
زیرِ سایہ ستائی ہوئی انسانیت ہمیشہ
پناہ
لیتی رہے گی۔

خطیبِ آلِ محمدؐ

حکومت پاکستان کی طرف سے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا چکا ہے جو یقیناً تحریک ختم نبوۃ کی ایک ارتقائی منزل ہے۔ مگر اسی کو منزلِ مقصود سمجھ لینا بھی ایک نادانی ہے کیونکہ قادیانیوں نے حکومتی فیصلے کے آگے سرِ تسلیم خم نہیں کیا۔ اور نہ ہی اپنے نظریات تبدیل کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا ہے۔ بلکہ اپنے پروگرام کو پہلے سے زیادہ مستقل مزاجی سے جاری رکھ رہے ہیں اور اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو جنوری ۱۹۷۵ء کے لئے خوشخبری کی حسبِ معمول پیشین گوئی کر چکے ہیں۔ اب اُن کی یہ پیشین گوئی کیا رنگ لائے گی۔ اس سے ہمیں کوئی سروکار نہیں البتہ عقلِ انسانی یہ سوچنے پر مجبور ہو چکی ہے کہ قادیانی پاکستان کیلئے اب کسی صورت میں وفاداری کا یقین نہیں دلا سکتے۔ لہٰذا حکومت اور مسلمانوں کو موجودہ حالات میں چوکس رہنے کی ضرورت ہے۔ اور اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان اپنے قول وفعل وعمل سے تحفظ ختم نبوت کی خاطر میدانِ عمل میں اتر آئیں

مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر نے اپنی علمی وادبی بساط کے مطابق تحفظ ختم نبوۃ پر تحریر و تقریر کے ذریعہ نوجوانانِ اسلام کے ذہن کو جھنجھوڑا۔ چنانچہ ربوہ کے سرحدی شہر چنیوٹ میں پچیس اگست ۱۹۷۴ء کو ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں خطیبِ آلِ محمد نے تحفظ ختم نبوۃ کے موضوع پر اہلِ علم حضرات کو دعوتِ فکر دی۔

خطیبِ آلِ محمد حصہ چہارم کا آغاز تحفظ ختم نبوۃ کی شہرۂ آفاق تقریر سے کیا گیا ہے جو اپنے موضوع اور بیان کے اعتبار سے منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس کے علاوہ عقدِ سیدہ، اضافۂ شکریہ، اور قانونِ عدل جیسی فلسفیانہ تقاریر میں مولانا موصوف نے نہایت چابک دستی کے ساتھ سلاست و سادگی کی

زبان استعمال کی ہے۔ گویا زبان کی پاکیزگی اور بیان میں جدّت مولانا کی فنِ تقریر کا خاص جوہر ہے۔ پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ نہایت سلیس زبان میں حل کیا گیا ہے تاکہ قاری کا ذہن منتشر نہ ہونے پائے۔ کہیں کہیں شوخی و ظرافت نظر آتی ہے مگر سنجیدگی اور متانت کا دامن چھوٹتا دکھائی نہیں دیتا۔ موصوف نے اپنی ان تقریروں میں ہر مکتبِ فکر اور ہر سن کے سامعین سے خطاب فرمایا ہے۔ اس لئے جب بھی کوئی نئی بات کہنا چاہتے ہیں تو سامعین کی عمر اور مزاج کے مطابق گفتگو کرتے ہیں مثلاً اگر کسی فلسفہ و منطق پر گفتگو ہو رہی ہے تو فقیہ و علماء سے خطاب کیا گیا ہے اور اگر کہیں لطیفہ یا کہانی سے مواد لینا مقصود ہے تو بچوں سے خطاب کیا جا رہا ہے۔

اور پھر لطف یہ ہے کہ دورانِ تقریر صرف اپنی ہی بات نہیں کہی جاتی بلکہ سامعین کی زبان سے بھی بات کہلوائی جاتی ہے۔ تاکہ منبر پہ کہے ہوئے الفاظ فضا میں گم نہ ہونے پائیں۔ گویا مولانا موصوف کے نزدیک سامعین اور خطیب ایک ہی انسان کے دو نام ہیں جو ایک ہی وقت میں دونوں فرائض سرانجام دیتا ہے۔

قارئین!

فلکِ خطابت کے نیّر درخشاں کی شعاعوں کا چوتھا گلدستہ پیشِ خدمت ہے۔ قبول فرمائیے گا۔

خاک پائے مومنین

خضر عباس سیّد

۵۔ نومبر ۱۹۷۶ء

ترتیبِ مضامین

پانچواں ایڈیشن

تعداد ——— ۱۱۰۰

پرنٹر ——— امتیاز فیاض پریس

چوک اردو بازار لاہور

ہدیہ: -/۴۰ روپے

ختمِ نبوّة

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عزّاسمہٗ وجلّ جلالہٗ کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام کے

حضرات علمائے کرام وسامعین عظام!

آپ حضرات کے واجب الاتباع حکم کی تعمیل میں آج میں یہاں حاضر ہوا ہوں۔
جب میں یہاں پہنچا تو بڑی روشنی تھی جس کی وجہ سے میں نے آتے ہی جگہ پہچان لی کہ یہ تو ہمارا پرانا "اڈہ" ہے۔ یہاں تو ہم کئی بار آچکے ہیں۔ پھر مجھے مولانا موصوف مدرسے لے گئے۔ جو میرے لئے بہت بہتر تھا۔ کیونکہ مدرسے کی ہوا لگنے سے مجھ میں اتنی طاقت آگئی کہ میں آپ سے خطاب کرسکوں۔ بہر نوع میں یہاں پہنچا اور یہاں آکر میں نے دیکھا کہ ہر مکتب فکر۔ ہر عمر۔ ہر سِن کا مسلمان یہاں موجود ہے۔ گویا یہاں مکاتب فقہ بھی ہیں اور مکاتب فکر بھی ہیں۔ یہاں انگریزی مدرسوں کے طالبعلم بھی ہیں۔ اور عربی مدرسوں کے طالب علم بھی ہیں۔ لہٰذا جب اتنی جماعتیں مل کے بیٹھ جائیں تو ان کا مل بیٹھنا ہی بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔ چنانچہ اس خوشی کے موقعہ کو دیکھ کر کسی کے دل سے یہ دُعا نکل کر ؎

خوشی کا وقت ہے گُل کر دو ان چراغوں کو
خوشی کے وقت ہے کیا کام جلنے والوں کا

حضور والا! اسی اجتماع کی خوشی میں ہم نے کہہ دیا۔ "خداوندا! ہمیں بجلی نہیں چاہیئے۔ بجلی وہاں گرا دیجیاں اسے گرنا چاہیئے" اس لئے کہ بجلی کی روشنی انسانوں کی بنائی ہوئی روشنی ہے۔ اور ہم تو یہاں آج اکٹھے ہی اس لئے ہوئے ہیں

کر انسانوں کی بنائی ہوئی "مصنوعی روشنیوں" کو بجھا دیں۔

بزرگانِ من!

بوجہ علالت تقریباً دو ماہ تک مجھے ہسپتال میں داخل رہنا پڑا۔ اخبار میں پڑھ سکتا نہیں تھا۔ یوں ہی لیٹے لیٹے پوچھ لیا کرتا تھا۔

• بچو! بتاؤ، ملک کی کیا حالت ہے۔ سیاسی حالات کیا ہیں۔ مذہبی حالات کیا ہیں۔ ابھی ابھی ہمارے ملک میں دنیا بھر کے اسلامی سربراہوں کی کانفرنس ہوئی ہے لہٰذا عالم اسلام کا کیا حال ہے۔ وہاں مسلمانوں کی کیا کیفیت ہے! چنانچہ بچے پڑھ پڑھ کر مجھے سناتے اور میں بہت خوش ہوتا کہ مسلمانوں کا بڑا اچھا حال ہے ہمارا کاروان بڑی اچھی طرح چل رہا ہے۔ ہمارا قافلہ بڑی شان سے رواں دواں ہے ایک دن اسی دوران میں نے سنا کہ ہمارا کاروان جب بڑی شان سے چل رہا تھا تو کسی بد نظر نے ہماری "چلتی گاڑی" کو روکنا چاہا کیونکہ وہ چاہتا نہیں تھا کہ مسلمانوں کی گاڑی چلتی رہے۔ میرے پاس اور تو کچھ تھا نہیں۔ یونہی لیٹے ہوئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

• خداوندا۔ وہ لوگ جو ہماری چلتی گاڑی کو روکنا چاہیں۔ اُن سے "رب! واہ" نہ پڑے۔ اُن سے ہمارا کبھی واسطہ نہ ہو۔ اُن سے ہمارا کبھی تعلق نہ ہو۔

بہر نوع۔ یہ واقعہ بھی سُنا اور اس کے بعد اور خبریں بھی سُنتا رہا۔

محترم سامعین!

مجھے آج اس مختصر سے وقت میں نہ کسی کی نبوت پہ تنقید کرنی ہے اور نہ ہی کسی کی شخصیت پہ تنقید کرنی ہے۔ اگر کوئی مجھ سے یہ کہے۔

• زیدی صاحب!

• فلاں شخص نبی بن گئے۔

۔ میں کہتا ہوں ! بن گئے تو میں کیا کروں ۔ میں نے دُنیا کے سارے پاگلوں کی فہرست تو نہیں بنا رکھی کہ جو بھی سنو ولگے میں اس پہ تنقید کرتا رہوں ۔ میں نے تو آج اپنا عقیدہ بیان کرنا ہے ۔ دین اسلام کی بات کہنی ہے :

یاد رکھو!

اللہ کا ہم پہ بہت بڑا فضل و کرم ہے کہ اُس نے ہمیں انسان بنایا ہے ۔ اور انسان بنا کر ہمیں اس دُنیا میں بھیج دیا ۔ ہم چلے آئے ۔

کیوں بھائیو ! ..... کوئی ہے ایسا انسان جو اپنی مرضی سے آیا ہو ؟

ہرگز نہیں ۔

دیکھو نا ! اگر ہم اپنی خوشی سے آتے تو آتے ہی ہنستے ۔ مگر ہم تو آتے ہی روتے تھے ۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں آنے کو ہمارا جی نہیں چاہتا تھا ۔ اللہ نے ہمیں زبردستی بھیج دیا ۔ ہم آ گئے اور جب تک یہاں رکھے گا ہمیں رہنا پڑے گا ۔ اور جس دن بلائے گا چاہے مر جائیں ہمیں جانا پڑے گا ۔ یہ اور بات ہے کہ اپنے پیروں سے چل کر نہیں جائیں گے تو چار بندے اٹھا کر لے جائیں گے ۔ مگر جانا ضرور پڑے گا ۔

کتنا بے بس و مجبور ہے انسان کہ نہ آنے میں بس ہے اور نہ جانے میں بس ہے نہ ہی یہاں رہنے میں بس ہے ۔ اللہ جانے ہم یہاں آکر کیا جرم کر بیٹھے ہیں کہ اس دُنیا میں آکر چاہے ہم ایک سانس لیں چاہے ہزاروں لاکھوں سانس لیں مگر یہاں ہمارا آنا اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کی سزا ،، **موت** ،، ہے ۔ کیا مجال جو کوئی شخص سزائے موت سے بچ جائے ۔ آخر ہم ہی پوچھتے ہیں ۔

، پیدا کرنے والے !

تو ہی بتا ۔ خود آتے تو کبھی نہ پوچھتے ۔ چونکہ تو نے بھیجا ہے ۔ اس لئے پوچھتے ہیں کہ جب تو نے ہی ہمیں بھیجا ہے تو یہاں ہمارے آنے کا مقصد کیا ہے ۔

حضورِ والا!

خدا گواہ ہے۔ بھیجا بھی بڑی شان و شوکت سے، دماغ کے فانوس میں عقل کی شمع روشن کر کے بھیجا۔ دانتوں کے کٹہرے میں زبان کو بولنے کی طاقت میں پابند کر کے بھیجا۔ آنکھوں میں نور کے چراغ روشن کر کے بھیجا سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دیکے بھیجا۔ زمین پہ پھیل جائیں تو جال بن جائیں اور چاند پہ پہنچ جائیں تو کمندیں بن جائیں ستارے ہمارے تابع۔ سورج ہمارے تابع۔ چاند ہمارے تابع۔ آسمان ہمارے تابع۔ زمین ہمارے تابع۔ اور آج ہم زمین سے فارغ ہو کر آسمان پہ جانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اور فرشتوں میں ہلچل مچی ہوئی ہے کہ "جنت سے نکالا ہوا" پھر واپس آرہا ہے۔ گویا خدا نے اس شان سے ہمیں بھیجا۔ ہماری طاقت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ ہماری قوت کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔

بچو!

سینکڑوں دفعہ یہ بات تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ ہماری طاقت کی حد ہے کہ ہم یہاں بیٹھ کر امریکہ، روس اور لندن کی باتیں سنتے ہیں اور سننے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ سامنے ایک صندوق رکھ لیا ہم سننے بیٹھ گئے اور صندوق سے کہا "سناؤ کوئی نئی سی بات"، اور پھر لطف یہ ہے کہ اس کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑتے بلکہ بڑے آرام سے اس کے کان مروڑتے ہیں۔ اور وہ ہمارے سامنے باتیں کرنے لگ جاتا ہے:

اب بتاؤ! جب ہم یہاں بیٹھ کر پوری دنیا کی باتیں سن سکتے ہیں۔ اب اگر ہم اس کا نام "وحی" رکھ دیں تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے! بس اگر نام ہی رکھنا ہے تو آپ اسے "ریڈیو" کہدیں اور میں اسے "ٹیچی" یعنی فرشتہ کہہ دوں گا۔ بھئے بڑی آسانی سے میں بھی نبی بن گیا۔

سامعین! - اگر آپ میرے ساتھ تعاون کریں تو آج میں نبوت کا

دعویٰ نہ کر دوں! ـــــــ بچو! کیا ارادہ ہے؟

دیکھو نا! اگر تم تھوڑی دیر کے لئے میری ہاں میں ہاں ملا دو تو میں بھی بآسانی نبی بن سکتا ہوں، کیونکہ نبی کی جو شرطیں ہیں وہ تقریباً پوری ہیں۔

مثلاً آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ آنکھوں کے لئے عینک چاہیئے۔ دانت مصنوعی ہیں۔ چھڑی کے بغیر چل نہیں سکتا۔ بغیر سہارے کے کام نہیں ہوتا۔ دوسرے کی عقل سے سوچتا ہوں۔ گویا جب اپنے حواس ختم ہو جائیں۔ اپنی عقل ختم ہو جائے تو اس کے بعد نبی بن جاؤ۔ جھگڑا اس بات کا ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ ہزاروں بیماریاں لگ جائیں مگر نام "مسیحا" ہوگا۔

بچو! تم نے پھر "مرزئیت" **"مُردہ باد"** کا نعرہ بلند کیا۔ میں کہتا ہوں "مُردہ باد" نہ کہا کرو۔ اس لئے کہ "**مُردہ باد**" ہوتا ہے جو پہلے "زندہ" ہو اور جو پہلے ہی سے زندہ نہ ہو وہ "مُردہ باد" کیسے کہلائے گا۔

بہر نوع میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ نے انسان کو بہت سی طاقتیں دے کر بھیجا ہے۔ آخر ہم نے عرض کی "خداوندا۔ تُو نے اتنی طاقتیں دے کر ہمیں بھیجا ہے۔ آخر ہمارا آنے کا مقصد کیا ہے؟

اللہ جواب میں فرماتا ہے:

دیکھو نا! ہم نے تمہیں دنیا میں کھانے پینے کے لئے نہیں بھیجا۔ بلکہ اگر تمہارے "بھیجے" میں عقل ہے تو ہمارے بھیجے کا مقصد سمجھو اور وہ یہ ہے کہ ہم نے تمہیں "**عبادت**" کے لئے بھیجا ہے۔

صاحبان!

منبر کے قریب بیٹھے ہوئے یہ نوجوان بچے مجھے گھور رہے ہیں کہ:

" زیدی صاحب !.... کہدی نا آخر مولویوں والی بات "

میں کہتا ہوں " بچو ! آخر مولویوں والی بات سے چھٹکارا تو نہیں مل سکتا، حقیقی بات تو یہی ہے کہ اللہ نے انسان کو عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے۔ خواہ تم اسے صحیح سمجھو یا غلط جانو۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کیا شے ہے !

سامعین !

حضرات علمائے کرام یہاں پر تشریف فرما ہیں۔ یہ حضرات مجھ جاہل آدمی کی اس بات کی تصدیق کریں گے کہ " عبادت " کا مفہوم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ

! عبادت ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس سے اللہ خوش ہو جائے

گویا جس کام سے اللہ خوش ہو جائے وہ عبادت ہے۔ اگر اللہ نماز پڑھنے سے خوش ہے تو یقیناً نماز عبادت ہے۔ اگر خدا روزہ رکھنے سے خوش ہے تو روزہ عبادت ہے۔ روزہ بذاتِ خود عبادت نہیں چونکہ اللہ خوش ہے اس لیئے عبادت ہے اور نماز بھی اس لئے عبادت کہ اللہ خوش ہے۔ گویا ہر وہ عمل جس سے اللہ خوش ہو جائے وہ عبادت ہے۔

پڑھے لکھے نوجوانو !

اب یہ بتاؤ کہ جب عبادت کرنی ہے میں نے اور خوش کرنا ہے اللہ کو تو اب مجھے کیسے پتہ چلے کہ میرے اس عمل سے اللہ خوش بھی ہے یا نہیں ؛ ہوسکتا ہے میں یہ سمجھوں کہ اللہ بڑا خوش ہے اور وہ ناراض بیٹھا ہو۔ آخر کیسے پتہ چلے کہ اللہ خوش بھی ہے یا نہیں ؛ تو اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم خود اللہ سے پوچھ آئیں کہ تو خوش بھی ہے یا نہیں ؛

اب بتاؤ ! تم میں سے کون اللہ کے گھر جانے کو تیار ہے !

دیکھونا! کسی کو زبردستی بھیج دیں تو وہ واپس نہیں آتا اور جو کہتے ہیں کہ اللہ خوش ہے تو انہوں نے ابھی تک اللہ سے ملاقات ہی نہیں کی۔ آخر کس سے جاکر پوچھیں کہ اللہ ہمارے اعمال سے خوش ہے یا نہیں؟ کیونکہ جس کی پسند کا کام کرنا ہے وہ پردہ نشین ہے اور جنھوں نے کام کرنا ہے وہ نامحرم ہیں۔ نامحرم وہاں تک جا نہیں سکتا اور پردہ نشین تک آ نہیں سکتا۔ لہٰذا اب پتہ کیسے چلے کہ ہمارے عمل سے وہ پردہ نشین معبود خوش بھی ہے یا نہیں؟

حضُور والا!

یہ کوئی فلسفے کی بات نہیں۔ کوئی اُلجھا ہُوا مسئلہ نہیں۔ یہ سیدھی سادھی بات ہے کہ پردہ نشین کی پسند معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح ایک نوجوان نے شادی ۔ نوجوان کا عالم۔ نئی نئی شادی اور بیگم صاحبہ گھر آئیں۔ اور آتے ہی دُولہا سے فرمائش کر دی کہ میرے لئے سونے کا ایک ہار بنوا دو۔ چنانچہ دُولہا نے اپنی بستی کے سُنار کو گھر بلایا اور کہا:۔

"میری بیگم کے لئے ایک ہار بنا دو۔"

سنار نے کہا :۔ "حضُور! کیسا ہار بناؤں؟"

جوان بولا :۔ "ایسا ہار بناؤ جو میری بیگم کو پسند آجائے۔"

سنار نے کہا :۔ "جناب میں بیگم سے اُن کی پسند پُوچھ سکتا ہوں۔؟"

جوان بولا :۔ "خبردار۔ میری بیگم پردہ نشین ہے۔" نہ تم وہاں جا سکتے ہو۔ ورنہ ہی وہ باہر آکر بتا سکتی ہے۔"

آخر ایک عقل مند نے سمجھایا کہ یہ بات تو آسان ہے۔ اگر تم بیگم کی پسند کا ہار نا چاہتے ہو تو اس سے کہو کہ وہ اپنی پسند کا ہار بنوانے کے لئے کوئی نمونہ دے۔ چنانچہ بیگم نے ایک نمونہ دے دیا۔ اور سُنار اُسے لیکر گھر آگیا۔ اب سُنار پر یہ فرض ہے کہ

وہ اپنی عقل کو دخل نہ دے ۔ بلکہ جو نمونہ اس گھر سے آیا ہے بالکل اس کے مطابق عمل کرتے رہیں گویا جو نمونہ اُدھر سے آیا ہے اسے دیکھتے رہو اور عمل کرتے رہو نا کہ اپنا کوئی نمونہ گھڑ لینا ۔

دیکھو نا ! اگر اللہ کو خوش کرنے کے لئے عبادت کرنی ہے تو صرف اسی نسخے کے مطابق کرنا جو اُدھر سے آیا ہے ۔ ہو سکتا ہے تمہاری صندوقچی میں کوئی بڑا خوبصورت نمونہ ہو مگر وہ تمہارا اپنا بنایا ہوا ہے ۔ جو اسے پسند نہ آئے لہٰذا تم اس نمونہ پر عمل کرنا جو اُدھر سے آیا ہے نہ کہ اِدھر سے آیا ہو ۔

محترم سامعین !

اللہ نے بھی یہی انتظام فرمایا کہ ہمیں سمجھانے کے لئے ، مقصد تخلیق پورا کرنے کیلئے اپنی عبادت کروانے کے لئے ہمارے ایمان کو مستحکم کرنے کے لئے ، ہمیں مومن بنانے کے لئے ۔ اللہ نے ایک نمونہ بھیجا اور نمونے کے ساتھ ساتھ ایک گائیڈ بک بھی بھیج دی اور کہا ۔

دیکھو ! یہ کتاب ہے اور یہ اس کتاب کو لیکر آیا ہے ۔ کتاب کو پڑھنا اور کتاب والے کو دیکھنا ۔ دونوں مل کے تمہیں بتائیں گے کہ یہ نمونہ ہے اور دیکھو ! یہ وہ کتاب ہے جو لَارَیْبَ فِیْہِ ، ہے ۔ جس میں کوئی شبہ ہی نہیں ہے ۔ جس کا نکتہ سہی ۔ جس کا زیر و زبر صحیح ۔ جس کا لفظ سہی ۔ جس کا سکون سہی جس کی حرکت سہی ۔ جس کی حیثیت سہی ۔ جس کا انداز سہی ۔ جو سر سے پیر تک صحیح ہی صحیح جسے حق نے اتارا ہے ۔ حق پہ اتارا ہے ۔ حق اس کے مضامین ہیں ۔ حق اس کے مطالب ہیں ۔ حق اس کی تعلیمات ہیں ۔ حق اس کے بیانات ہیں ۔ حق اس کا خلاصہ ہے حق اس کا پہنچانے والا ہے ۔ حق اس پر عمل کرنے والا ہے ۔ حق اسے لانے والا ہے ۔ لہٰذا کسی کو حق نہیں ہے کہ اسے ناحق کہے ۔

گویا یہ کتاب "لَارَیْبَ فِیہ" ہے۔ جو میں تمہیں بھیج رہا ہوں اور اس "لَا رَیبَ فیہ" کتاب کو لانے والا بھی "لَاعَیْبَ فِیہ" ہے۔ کتاب میں رَیب نہیں۔ اور پہنچانے والے میں عیب نہیں۔ لہٰذا کسی "عیب دار" کی مجال نہیں جو اس "لَارَیبَ فیہ" کتاب کے مالک ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور سُن لو اچھی طرح سے کہ اس کتاب کا مصنّف میں خود ہوں۔ یہ کتاب میری اپنی تصنیف کردہ ہے۔ میں نے ہی تصنیف کرنے کے بعد اس کتاب کے شائع کرنے کا بھی انتظام کیا تاکہ یہ کتاب چھپ کر دُنیا کے سامنے آجائے۔

سامعین کرام!

سب سے پہلا پریس جس میں اس کتاب کو خدا نے چھپوانا چاہا اس پریس کا نام تھا آدم پرنٹنگ پریس۔ خدا نے چاہا کہ اپنی کتاب کو یہاں چھپوا دیں۔ لہٰذا جب آدم پریس میں کتاب چھپنے کی نوبت آئی تو کسی آتش مزاج سے جھگڑا ہو گیا۔ اللہ نے کہا "ہم اپنی کتاب یہاں نہیں چھپوائیں گے۔

چنانچہ کچھ دنوں بعد "نوح پرنٹنگ پریس" قائم ہوا۔ اللہ نے اپنی کتاب یہاں چھپنے کے لئے دی مگر ابھی کتاب کے چھپنے کا ارادہ ہی تھا کہ نوح پریس سیلاب کی زد میں آگیا۔ چنانچہ کسی اور پریس کی تلاش شروع ہو گئی۔ بالآخر ابراہیم پریس بنا۔ خدا نے چاہا کہ اپنی کتاب یہاں چھپوالیں۔ چنانچہ پریس کے پروپرائٹر سے پورا معاہدہ بھی ہو گیا۔ حق اشاعت بھی طے ہو گئے۔ مصنف نے پریس والے کو اپنا "خلیل" بھی بنا لیا۔ جب سارے مرحلے طے ہو گئے مگر جب چھپنے کا وقت آیا تو اللہ جانے پریس والے کی آنکھوں پہ کیا پٹی بندھ گئی کہ اعلیٰ حضرت نے اپنی کتاب رکوا دی کہ یہاں نہیں چھپے گی۔

اس کے بعد "موسیٰ پریس" قائم ہوا۔ کتابت بھی ہو چکی تھی۔ کتاب

، عنقریب چھپنے والی تھی کہ جب پتھر پہ چڑھی تو پتھر جل گیا۔ بہر نوع کتاب یہاں بھی نہ چھپ سکی۔

اس کے بعد جب ،، عیسٰے پریس ،، میں کتاب گئی تو پریس والا پریس چھوڑ کر آسمانوں پہ چلا گیا۔ گویا اعلیٰ حضرت کی کتاب یہاں بھی نہ چھپ سکی۔

آخر کار مصنف نے کتاب کو اپنے پاس محفوظ رکھا۔ کچھ دن بعد عرب کی خشک آب و ہوا میں ،، محمدی پریس ،، قائم ہوا۔! اللہ نے پریس کے پروپرائٹر سے کہا۔

،، محمدؐ! سنتے بھی ہو۔ ہماری کتاب چھپواؤ گے؟،،

محمدؐ نے جواب دیا ،، ہاں۔ ضرور چھپوائیں گے،،

اللہ نے پوچھا ،، محمد! چھپائی کی اُجرت کیا ہوگی؟،،

محمدؐ نے کہا ،، خداوندا۔ اُجرت یہی ہے کہ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ اس کتاب کا حق طباعت میرے پاس محفوظ رہے گا۔ تاکہ میرے بعد کوئی آکر یہ نہ کہے کہ میرے پاس بھی کتاب آئی ہے،،

اللہ نے کہا ،، محمدؐ! میں تو کسی اور کو اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اگر تیرے ہی ،، غلاموں ،، میں سے کوئی نکل دے تو میں کیا کروں۔

بہر نوع! یہ کتاب محمدی پریس میں چھپی اور چھپنے کے بعد پریس کے دروازہ پہ وحی کا پہرہ بٹھا دیا گیا ،، وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ،، تاکہ باہر کی بات آنے نہ پائے۔ اور اپنی بات باہر جانے نہ پائے۔ الغرض کتاب چھپ کر سامنے آگئی اور ہمیں حکم ہوا کہ تم اس کتاب کو پڑھو۔ لہٰذا ہم نے کتاب کو پڑھنا شروع کیا۔

کتاب کے شروع میں لکھا تھا ،، اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ،،

محمدؐ سن! جو ایمان لاتے ہیں

"وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ"

ہر اس شے پر جو تجھ پہ نازل کی گئی

"وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ"

اور ہر اُس شے پر جو تجھ سے قبل نازل کی گئی

گویا دو چیزوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ایک اس چیز پہ جو محمدؐ پر نازل ہوئی اور ایک اس چیز پہ جو محمدؐ سے قبل نازل ہوئی۔

عُلمائے کرام!

خدا آپ کے علم میں ترقی عطا فرمائے۔ آج مجھ غریب شہر کی بات بھی سُن لو چونکہ میں حافظ نہیں ہوں۔ ہو سکتا ہے میں نے آیت غلط پڑھ دی ہو۔ خدارا۔ مجھے بتائیے کہ اس سے آگے بھی کچھ ہے"؟

"مولانا! آخرت کی باتیں ابھی نہ کیجئے۔ ابھی ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ میں پوچھ رہا ہوں کہ اس آیت میں" محمدؐ پر اور اس سے قبل، کے بعد کوئی اور ایمان کی بات ہے"؟

ہرگز نہیں۔

کیوں مولانا! اگر خدا یہ بھی کہہ دیتا کہ "مِنْ بَعْدِہٖ" تو کیا کتاب کا حجم بڑھ جاتا۔ اسے حفظ کرنے میں کوئی خرابی واقع ہو جاتی؟

ہرگز نہیں۔

سامعین!

اگر محمدؐ کے بعد کوئی چیز ایمان لانے کے قابل ہے اور اللہ نے نہیں لکھا اور ہم ایمان نہیں لائے تو اس میں ہمارا کیا قصور رہے۔ ہم تو اللہ سے ہی پوچھیں گے۔

" خداوندا۔ معاف کرنا۔ اگر محمدؐ کے بعد بھی کسی کو بھیجنا تھا تو "مِنْ بَعْدِہٖ"

کیوں نہیں بتایا۔ آج ہم صرف تیرے نہ لکھنے کی وجہ سے نہیں مان رہے۔ اگر تو "مِنْ بَعْدِہٖ" لکھ دیتا تو ہمیں کیا اعتراض تھا۔

بزرگانِ من!

اصولِ دین تین ہیں۔ توحید۔ نبوت اور قیامت۔

توحید و نبوت پر ہمارا "ایمان" ہے اور قیامت پر ہمارا "یقین" ہے۔

اور یقین و ایمان میں فرق ہے۔

دیکھو نا! اگر بڑے زور کی بارش ہو رہی ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ آج بارش کیا ہوئی، قیامت ہے۔ اسی طرح کوئٹہ میں جب زلزلہ آیا تو ہم نے کہہ دیا "قیامت آگئی" حالانکہ قیامت نہیں آئی تھی مگر ہم نے استعارہ کے طور پر قیامت کہہ دیا۔ گویا قیامت کا لفظ ہم استعارہ کے طور پر، تشبیہ کے طور پر، شاعری کے طور پر استعمال کرسکتے ہیں جس طرح اگر یہاں مولانا احتشام الحق تھانوی تقریر کر رہے ہوں۔ (جیسا کہ انہوں نے یہاں پڑھنا تھا جو کسی وجہ سے نہ آسکے) بہرنوع وہ اگر آجاتے اور یہاں تقریر کرتے تو سامعین بہت لطف اندوز ہوتے۔ اب مولانا موصوف کی تقریر سنکر کیا ہم استعارے کے طور پر تشبیہ کے طور پر۔ شاعری کے طور پر یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ مولانا موصوف کی تقریر کیا ہے بس "نبوت ہے"؟ ہرگز نہیں۔

معلوم ہوا کہ توحید و نبوت اتنی مستحکم چیز ہے کہ جس کا نام تشبیہ و استعارہ کے طور پر بھی نہیں لیا جاسکتا۔ مگر۔ یقین رہاں ہے جہاں شاعری کے طور پر لیا جاسکتا ہے۔

بہرنوع: اللہ نے کہدیا کہ ایمان لاؤ محمد پر اور ان چیزوں پر جو اس پر نازل کی گئی ہیں۔ اور ان چیزوں پر جو اس سے قبل نازل کی گئی ہیں۔ رہ گیا محمد کے بعد۔؟ یہاں تمہاری مرضی۔ ہم تو کچھ نہیں کہیں گے۔ تم جانو اور تمہاری مرضی۔

معزز سامعین!

محمدؐ کتاب لے کر آ گئے۔ اور فرمایا کہ اسے پڑھو۔ اسے سمجھو۔ اور کتاب نے بھی اعلان کر دیا کہ دُنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جو اس کتاب میں نہ ہو اور دیکھو! اس کتاب کے پہنچانے والے نے کہہ دیا کہ دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں ہے جو میں تمہیں سمجھا نہ سکوں اور یہ اعلان وہ انسان کر رہا ہے جو "اُمّی" تھا۔ جس نے پڑھا ہی کچھ نہیں۔

کیوں بچو!

تمہارے رسُولؐ نے کسی درس میں پڑھا تھا؟ ۔۔۔ ہرگز نہیں

دیکھو! جمہُوریت کا زمانہ ہے۔ ڈر لگتا ہے کہ اگر مذہب کا معاملہ بھی ہو تو پھر بھی جمہُور سے پُوچھنا پڑتا ہے اگرچہ یہ غلط ہے۔

سامعین!

میں آج ہی لاہور سے آیا ہُوں۔ تاکہ یہاں آپ کے سامنے کچھ بیان کروں۔ اب اگر میں اسٹیج پہ کھڑے ہو کر بجائے تقریر کرنے کے۔ اپنی جیب سے ایک کتاب نکال لوں اور پڑھنا شروع کر دوں۔ اِدھر لوگ کہتے ہیں۔

"مولانا! تقریر شروع کریں"

میں کہتا ہوں "ابھی ٹھہرو"

تھوڑی دیر بعد پھر آواز آئی۔ "زیدی صاحب! شروع کرو!"

میں نے کہا، "ٹھہرو بھئی"

جب دس پندرہ منٹ اسی طرح گذر گئے تو تمام مجمع اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا۔

"زیدی صاحب! اگر یہاں آکر ہی پڑھنا تھا تو تکلیف کیوں فرمائی۔ ہمیں تو

ایسا مولوی چاہیئے جو گھر سے پڑھ کر آیا ہو۔"

صاحبان!

جب آپ ایسے مولوی کو برداشت نہیں کر سکتے جو یہاں آکر پڑھے تو ایسے نبی کو کون برداشت کرے گا جو یہاں آکر پڑھا ہو۔ لہٰذا ہم تو ایسے نبی کو مانتے ہیں جو یہاں آکے نہ پڑھے "اُمّی" کہلائے مگر کائنات کا کوئی علم ایسا نہ ہو جس پر اُسے عبور نہ ہو۔ بہر نوع ہمارا بے پڑھا نبی آگیا۔ اور اس نے کہا۔

"دیکھو! میں پڑھا نہیں مگر سب کو پڑھاؤں گا۔ کوئی ایسا علم نہیں جو میرے علم سے باہر ہو۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں۔ کوئی ایسی شے نہیں جو مجھے معلوم نہ ہو۔ میں تمہارا ہادی بن کر آیا ہوں۔ تمہیں دین بھی سکھاؤنگا اور تمہیں دنیا بھی سکھاؤں گا۔ کوئی ایسی شے نہیں جو تمہیں بتانے سے رہ جائے لہٰذا تمہیں ہر شے سکھائی جائے گی"۔

چنانچہ محمدؐ نے ہمیں ہر شے سکھا کے، ہر شے پڑھا کے۔ بھیجنے والے کی زبان سے کہلوا دیا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ" آج کمال ہو گیا۔ آج وہ نبوت جو میری نعمت تھی وہ "تمام" ہو گئی۔

بھائیو! "نعمت" کے "تمام" ہونے کا لفظ بتاتا ہے کہ "نعمت" والی نبوت جو تھی وہ تمام ہو گئی اب اگر کوئی "بے نعمت" والی نبوت آجائے تو میں کیا کروں۔ بہر کیف! بے پڑھے نے ہمیں سب کچھ پڑھا دیا لہٰذا اسکے بعد ہمیں کسی در نبوت کی ہرگز ضرورت نہیں

بچو!

اگر تم ہنسو گے نہیں تو ایک بات سُنا دوں!

دیکھو نا! جب میں نے شروع شروع میں مجالس پڑھنا شروع کیں تو ایک دن کسی نے مجھے کہا، "قبلہ زیدی صاحب"

میں نے کہا ، "توبہ کرو۔ میں کیسے قبلہ بن سکتا ہوں۔ قبلہ تو علماء ہوتے ہیں لہٰذا مجھے قبلہ مت کہو"

چند دن بعد کسی نے پھر کہا۔ اور میں نے پھر منع کیا۔ چنانچہ تین چار مہینے شروع شروع میں منع کرتا رہا کہ میں قبلہ نہیں ہوں۔ جب پچاس آدمی مجھے قبلہ کہنے لگے تو میں چپ ہو گیا۔ اور جب سو دو سو آدمی کہنے لگے تو میں نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں قبلہ ہی ہوں"

اب مجھے بھی یقین ہو گیا۔ کچھ دن بعد تو یہ حالت بھی ہو گئی کہ اب اگر کوئی قبلہ نہیں کہتا تو بُرا لگتا ہے۔

حضور والا!

اس طرح بن جاتا ہے بننے والا "اور یہ مشہور تاریخی شخصیتیں جنھیں آپ "فرعون" و "نمرود" کہتے ہیں۔ کیا وہ پاگل تھے۔ کیا انہیں پتہ نہیں تھا کہ ہم خدا نہیں ہیں" ؟ حالانکہ ان مسخروں کو پتہ تھا کہ ہم خدا نہیں ہیں مگر پاس بیٹھنے والے بیوقوف احمق جو کہہ رہے تھے کہ تم خدا ہو۔ لہٰذا انہوں نے سوچا کہ کیوں نا ان احمقوں سے فائدہ اٹھائیں اور خدا بن جائیں کیونکہ مفت میں بن رہے تھے۔ لہٰذا فرعون و نمرود خدا بن کے بیٹھ گئے۔ اور یاد رکھو! لفظ فرعون و نمرود اس بات کی علامت ہے کہ ایسا شخص جو ایسی بات کا دعویٰ کرے۔ جو اس میں نہیں ہے تو وہ "فرعون و نمرود" ہو گا۔ چاہے وہ زید ہو یا بکر ہو۔

اور پھر اپنی فرعونیت کو مستحکم کرنے کے لئے فرعون نے بھی اپنے وزیر "ہامان" کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک "مینار" تو بنا دو۔

گویا فرعون کی یہ پہچان ہے کہ جب کوئی فرعون بنتا ہے تو اپنے لئے ایک "مینار" بھی بنواتا ہے تاکہ اس کی پہچان ہو سکے۔ بہر نوع یوں بن جاتے ہیں بننے والے

اب ان سے کوئی پوچھے کیوں بنتے ہو؟۔ تو وہ جواب میں کہیں گے ،، لوگ جو بنا رہے ہیں اس لئے ہمیں بننا پڑے گا،، ۔ ہم نے پوچھا ،، تمہیں معلوم نہیں کہ اس کی سزا کیا ہے ۔ ؟

وہ جواب میں کہتے ہیں ۔،، ہمیں اپنا انجام معلوم ہے کہ دُنیا میں تو عیش کریں گے اور آخرت میں زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ جہنم میں چلے جائیں گے ،،

سامعین کرام !

آج ہم خدا کے فضل و کرم سے اکٹھے بیٹھے ہیں ۔ ایک ہی نبی کا کلمہ پڑھتے ہیں ۔ اور ہمارا کلمہ پڑھنے کا مطلب یہی ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ، جس طرح خدا کے بعد نہ کوئی اور خدا ہو سکتا ہے ۔ اسی طرح ،، مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ ،، کے معنیٰ ہی یہی ہیں کہ محمدؐ کے رسُول ہونے کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا رسُول ہو سکتا ہی نہیں ۔

یاد رکھو ! .... محمدؐ کے بعد نہ تو ابو بکرؓ نبی ہو سکتا ہے اور نہ ہی علیؓ نبی ہو سکتے ہیں ۔ نہ ہی حسنؓ نبی ہو سکتے ہیں اور نہ ہی حسینؓ نبی ہو سکتے ہیں ان تمام حضرات کی عزت اسی بات میں ہے کہ وہ ختم نبوۃ کی حفاظت میں مر گئے ان کی شان اسی بات میں ہے کہ وہ ختم نبوۃ کی حفاظت کرتے رہے

صاحبانِ فکر !

تاریخ عالم گواہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں جب ،، مسیلمہ کذاب ،، کو قتل کیا گیا تھا تو اتنا اتحاد مسلمانوں میں کبھی ہُوا ہی نہیں جتنا اس سنخرے کے قتل کے وقت ہُوا تھا ۔ حالانکہ مسیلمہ کذاب اہلبیتؓ کا ماننے والا تھا ، اصحابؓ کا ماننے والا تھا ۔ اور وہ کلمہ بھی یہی پڑھتا تھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ محمد رسُول اللّٰہ اس کی اذان بھی یہی تھی ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللّٰہ ،، اور ساتھ یہ بھی کہہ دیتا تھا کہ محمدؐ بھی نبی ہیں ۔ مگر چھوٹا سا میں بھی

نبی ہوں!

بچو! ایک بات بتا دوں کہ منکر وہ ہوتا ہے جو کسی بات سے انکار کر دے اور مشرک وہ ہوتا ہے جو کسی بات میں شریک ہو جائے۔ لہٰذا شرک اور چیز ہے اور منکر اور چیز ہے۔ شرک کرنے والا شریک باری تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ اور محمدؐ کی نبوت سے انکار کرنے والا منکر کہلاتا ہے۔ جس طرح مسیلمہ کذاب نے شریک باری تعالیٰ ہونے کے ساتھ ساتھ ختم نبوۃ سے انکار بھی کیا۔ جس کا جواب اس کے قتل کی شکل میں اہلبیت رسولؐ و اصحابؓ رسولؐ نے دیا۔

سامعین!

یاد رکھو! اگر کسی کو یہ گمان بھی ہوتا کہ محمدؐ کے بعد کوئی اور نبی آسکتا ہے تو محمدؐ کی اتنی مخالفت نہ ہوتی جتنی ہو رہی ہے۔ محمدؐ کی مخالفت جو ان کی اولاد تک جاری رہی اس کا اصل نکتہ یہی ہے کہ اب نبی کوئی نہیں آئے گا۔

علمائے کرام!

آج میں آپ صاحبان کے سامنے حلفیہ کہتا ہوں کہ اگر یزید کو یہ پتہ ہوتا کہ محمدؐ کے بعد کوئی نبی آسکتا ہے تو وہ اتنے بڑے سانحہ عظیم کا ذمہ دار نہ بنتا۔ بلکہ خاموش ہو جاتا کہ چلو کوئی بات نہیں پانچ چھ سال بعد نبوت کا دعویٰ کر دوں گا۔ مگر یزید جانتا تھا کہ یہ دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس نے کہا کہ اہلبیت رسولؐ کو قتل کردو۔

سامعین!

یہ میرے بیان کے آخری فقرے ہیں کہ آلِ محمدؐ نے اور اصحابؓ محمدؐ نے ختم نبوۃ کی حفاظت کے لئے کہیں منکر ختم نبوۃ کو قتل کر کے ختم نبوۃ کو بچایا اور کہیں اپنے آپکو قتل کروا کے ختم نبوۃ کو بچایا۔ اور پھر

حسنینؑ کے یہ آخری فقرے آج بھی فضا میں گونج رہے ہیں۔ یوم عاشورہ

ریت کے ٹیلے پہ کھڑے ہو کر حسینؓ مسلمانوں کے مجمع سے کہہ رہا ہے۔

• مسلمانو!..... سُن لو۔ زمین و آسمان سُن لے۔ اللہ کے فرشتے سُن لیں

فضا و ہوا سُن لے۔ خلا سُن لے۔ پانی کے قطرے سُن لیں۔ ہوا کے ذرے سُن لیں شجر و حجر

سُن لیں۔ دُنیا کی ہر شے سُن لے۔ پوری کائنات سُن لے کہ میں کہہ رہا ہوں۔

• ان ابن رسول اللہ " میں بیٹا ہوں رسولؐ کا لہٰذا ابد تک نبی کا
بیٹا پیدا نہیں ہوگا۔ کیونکہ نہ نبی ہوگا اور
نہ ہی نبی کا بیٹا ہوگا۔

ان ابن بنت رسول اللہ " میں محمد رسول اللہ کی بیٹی کا بیٹا ہوں۔
کیونکہ قیامت تک رسولؐ کی بیٹی کا بیٹا
نہیں آئے گا۔ نہ رسولؐ ہوگا نہ اسکی
بیٹی ہوگی اور نہ اس کا بیٹا ہوگا۔

یہ کہہ کر حسینؓ نے بلند آواز سے کہا " ھل من ناصر "

کوئی ہے جو ختم نبوت کے بچانے میں میری مدد کرے؟

بہر نوع یہ فقرہ آج بھی فضا میں گونج رہا ہے اور ہم حسینؓ سے وعدہ کرتے ہیں

• حسینؓ!

ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تیرے نانا کی ختم نبوۃ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہر وہ قربانی جو

ہم دے سکتے ہوں۔ دیں گے۔ مگر ختم نبوۃ پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ یہ کبھی ہو ہی نہیں

سکتا کہ ؎

ہو سیہ خانوں کی رونق اور آئینہ خانے مٹیں

شمع گل ہونے سے پہلے کیوں نہ پروانے مٹیں

لہٰذا آج ہم عہد کرتے ہیں کہ ہم پروانے موجود ہیں اور شمع محمدی پر جلنا ہمارا

فرض ہے۔

محترم بزرگو!

آج مجھ سے پوچھا جارہا ہے کہ ختم نبوۃ پہ ایمان نہ رکھنے والے مسلمان ہیں یا نہیں؟
تو عرض ہے کہ ان کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے سے پہلے مجھے یہ ڈر کھائے جارہا ہے کہ میں
اپنے لئے کیا فیصلہ کروں کہ آیا میں بھی مسلمان ہوں یا نہیں؟ اور وہ اس لئے کہ میں نے
اخباروں میں پڑھا ہے اور اپنے کانوں سے سُنا ہے۔ کہ اس ملک کے بانی قائد اعظم
کے جنازے پہ کھڑے ہو کر یہ کہا گیا تھا کہ "میں ایک مسلمان حکومت کا کافر ملازم ہوں یا
ایک کافر حکومت کا مسلمان ملازم ہوں"۔

بہر نوع جو شخص یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تم مسلمان ہو تو میں کافر ہوں اور اگر میں مسلمان
ہوں تو تم کافر ہو"

لہٰذا آج میں اس شخص کے فیصلے کے مطابق اپنے لئے فیصلہ کرتا ہوں کہ اگر
میں مسلمان ہوں تو بقول اس کے وہ خود بخود کافر ہو گیا۔ ورنہ میں کافر ہونے کا فیصلہ
کروں گا۔ مجھے تو اپنے بارے میں فیصلہ کرنا ہے۔

اور یاد رکھو!

حکومتیں کوئی فیصلہ نہیں کیا کرتیں۔ یہ فیصلہ ہمیں کرنا ہے۔

دیکھو نا! نبوت سے قومیں بنتی ہیں اور ان میں اشتراک پیدا ہوتا ہے اور
قومیں اِدھر اُدھر ہوتی ہیں۔ اب آج اگر کوئی صاحب نئی نبوت لیکر آئے
ہیں تو وہ الگ اُمّت ہو گئے اور ہم الگ اُمّت ہو گئے۔ اب جب ہم الگ الگ
اُمّت ہو گئے تو ہمیں کون مجبور کر سکتا ہے کہ ہم ایک ہو جائیں بلکہ وہ تو علیحدہ اُمّت بنکر
ہم سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ہم علیحدہ ہیں اور وہ علیحدہ ہیں۔ بس اسی علیحدگی
کا نام تم نے "**بائیکاٹ**" رکھ لیا حالانکہ "بائیکاٹ" کوئی انوکھی چیز نہیں ہے

بائیکاٹ کا تو صرف مطلب ہی یہی ہے کہ تم اور ہو۔ اور ہم اور ہیں۔ ہم کسی کو مارتے نہیں۔ ہم کسی کو ستاتے نہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم اور ہو۔ ہم اور ہیں۔ تم نے خود ہی نئی نبوت بنا کے اپنے کو علیحدہ کر لیا لہٰذا تم اور ہو۔ ہم اور ہیں۔ ہمارا تمہارا کوئی میل نہیں۔ ہمارا تمہارا کوئی رشتہ نہیں، ہمارا تمہارا کوئی ناطہ نہیں لہٰذا تمہارا یہ کہنا کہ ہمارا بائیکاٹ کیوں کرتے ہو؟ اگر ہم نے کوئی نئی نبوت بنالی ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ شیعہ سُنّی بھی تو آپس میں لڑتے ہیں؟۔

سامعین!

ہم کب کہتے ہیں کہ ہم شیعہ سُنّی آپس میں نہیں لڑتے۔ ہم لڑتے ہیں اور انشاءاللہ قیامت تک لڑتے رہیں گے۔ مگر

یاد رکھو! ..... اگر کوئی سُنّی مجھے قتل بھی کر دے گا تو میرا جنازہ بھی وہی پڑھے گا۔ مجھے دفن بھی وہی کرے گا۔ رہ گئی ہماری لڑائی تو وہ صرف یہی ہے کہ شیعہ سُنّی دونوں ہم بھائی ہیں اور ہم دونوں بھائی اس بات پہ جھگڑ رہے ہیں کہ محمد ہم دونوں کے باپ ہیں۔ شیعہ کہتا ہے کہ میں اپنے باپ کو زیادہ پیارا ہوں اور سُنّی کہتا ہے، میں باپ کو زیادہ پیارا ہوں گویا شیعہ سُنّی کا تو اس بات پہ جھگڑا ہے کہ باپ کو پیارا کون ہے؟ اور جس کی ماں نے خصم ہی اور کر لیا ہو اس کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمارے ذاتی معاملات میں دخل دے۔

حضرات!

اگر منطق کی رو سے۔ کسی فلسفے کی رُو سے، کسی استدلال کی رُو سے آج میں یہ کہوں کہ میں نبی ہوں اور میرے نبی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ شیعہ سُنّی آپس میں لڑتے رہیں تو آپ کہیں گے کہ اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ یہ پاگل ہو گیا ہے، کیونکہ شیعہ سُنّی کا جھگڑا اور چیز ہے اور نبوت کی دلیل اور چیز ہے۔ اگر ہم شیعہ سُنّی لڑتے ہیں

دوڑنے دو۔ ہماری لڑائی کا ذکر چھیڑنے کا مقصد یہ ہے کہ ان احمقوں کے پاس اپنی نبوت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ یونہی خواہ مخواہ کے لئے ہماری لڑائی کی بات چھیڑ دیتے ہیں۔ شیعہ سنی کی لڑائی ہمارے گھر کی بات ہے۔ ہمارا اپنا قصہ ہے۔ کسی کو ہمارے گھریلو معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

سامعین!

پاکستان بننے سے پہلے میں قادیان (ہندوستان) میں تقریر کر رہا تھا اور میرے سامنے ایک تختہ سیاہ لٹکا دیا گیا جس پر لکھ دیا گیا۔ "آپ کا مذہب شیعہ ہے"؟

میں نے کہا۔ "جی ہاں۔ فرمایئے کیا بات ہے؟

" زیدی صاحب! یہ بتائیں کہ شیعہ صاحبان کا خلفائے ثلاثہ کے بارے میں کیا عقیدہ ہے"؟

میں نے کہا "آپ کو کیا تکلیف ہے۔ آپ کون ہیں پوچھنے والے!

" زیدی صاحب! ہم تو یونہی پوچھ رہے تھے"

میں نے کہا میری بات سنو! ہر شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ کا گھوڑا جس جگہ پر پیشاب کرتا تھا۔ اس کے قطرے کے برابر بھی "نیا نبی" نہیں ہو سکتا۔ ہمارا تو یہ عقیدہ ہے۔ تم اپنی فکر کرو۔ تمہیں ہمارے جھگڑے سے کوئی واسطہ نہیں۔

دیکھو نا!

یہ ایسی شر پیدا ہوئی کہ آج ہم بھائی بھائی مل بیٹھے ہیں گھر جائیں گے آپس میں تقسیم پر لڑیں گے۔ شریک جو ہوئے۔ بہر نوع آج ہم دشمن کے سامنے اکٹھے بیٹھے ہیں۔ اور انشاء اللہ اکٹھے مل کر دشمن کے سوال کا منہ توڑ جواب دیں گے۔

صاحبان! جب ہم ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے

تھے تو راستے میں ,, غیر مسلم ,, ہمارے قافلوں پہ حملے کر رہے تھے تو بتاؤ!
اس وقت ہمیں قتل کرتے وقت وہ پوچھا کرتے تھے کہ تم سُنی یا شیعہ ہو؟۔
ہرگز نہیں۔
لہٰذا جب ہم قتل ہونے کے لئے ایک تھے تو زندہ رہنے کے لئے کیوں نا ایک ہیں
بہرنوع یہ فضول باتیں آج نہیں چلیں گی آج فیصلہ ہو کے رہے گا۔ دودھ کا دودھ
اور پانی کا پانی ہو کر رہے گا۔ یا ہم مسلم ہیں یا تم کافر ہو۔ یا میرا گریباں چاک یا اپنا
گریبان چاک۔ یہ فیصلہ ضرور ہوگا۔ دیر ہیں ہو۔ جب ہو بہرکیف یہ فیصلہ ہو کے رہے گا
اور رہ گیا ,, امن ,, تو سُنو ہمیں امن کی تلقین کرنے والو!
ہم سے بہتر پُر ,, امن ,, نہ کوئی ہے، ورنہ ہی ہوگا۔ ہم تو بالکل پُرامن ہیں۔
دیکھو نا! ہم ہیں ,, مومن ,, اور مومن کا لفظ ,, ایمان ,, سے بنا ہے اور ایمان
ہے افعال کے وزن پر اس کا مادہ ہے امن۔ لہٰذا امن نہ ہو تو ایمان نہیں ہوتا۔
بہرنوع مومن تو ہوتا ہی پُرامن ہے۔ آج تم ہمیں امن کی تلقین کرتے ہو جاؤ
پہلے اپنے کو پُرامن بناؤ۔
اب معترض کہتا ہے ,, زیدی صاحب: انہوں نے دودھ پلا دیا تھا: اور
ساتھ ہی مثال یہ دیتے ہیں کہ علیؑ نے بھی اپنے قاتل کو شربت پلایا تھا۔
میں کہتا ہوں: اگر میرے دادا علیؑ نے اپنے قاتل کو شربت پلایا تھا تو اگر ضرورت
پڑی تو میں بھی اپنے قاتل کو شربت پلا دوں گا مگر تمہارے پاس کوئی ایسی دلیل نہیں ہے
کہ علیؑ نے ختمِ نبوۃ کے منکر کو شربت پلایا ہو۔
بہرنوع بائیکاٹ کا مطلب یہ ہے کہ تم اور ہو، ہم اور ہیں، ہمارا تمہارا کوئی واسطہ
نہیں۔ ہمارا تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ اس میں نہ کوئی جھگڑا ہے اور نہ ہی کوئی لڑائی ہے۔
بہرکیف! ہم بڑے پُرامن ہیں اور پُرامن رہیں گے۔ انشاءاللہ۔ اور

عہد کرتے ہیں کہ ہم اپنے ''ایمان'' کے زور سے ہر ''بے ایمان'' کو منوائیں گے یا تو اسے ''مومن'' ہونا پڑے گا یا پھر ہم سے علیحدہ رہنا پڑے گا۔

بزرگانِ من!

خدا شاہد ہے۔ اس میں تو بہت فائدہ ہے کہ اگر کوئی ''غیر مسلم'' اقلیت ہو جائے کیونکہ غیر مسلم اقلیت ہونے سے وہ ہماری حفاظت میں آ جائیں گے۔ وہ ہماری ذمی بن جائے گی اور ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہو جائیں گے۔ فرق صرف یہ ہے وہ ذمی ہماری حصہ دار نہیں رہے گی۔ شریک نہیں رہے گی بلکہ ہماری ''رعایا'' بن کے ہماری حفاظت میں آ جائے گی۔

سامعین!

میں اپنے بیان کو یہاں آ کر ختم کرتا ہوں کہ میں نے اپنی پوری تقریر میں نہ تو کسی صاحب کا نام لیا اور نہ ہی کسی پر فرداً فرداً تنقید کی ہے۔ صرف حقیقت بیان کی ہے یا اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔

عزیز بچو!

دُکھ تو اس بات کا ہے کہ مجھے کسی کا نام آتا ہی نہیں۔ میرے ہم وطن یو۔ پی والوں کو دکھ ہو گا اور مجھے بھی یاد ہے کہ جب میں بچہ تھا تو میری ماں سردیوں میں میرے لئے کپڑے میں روئی سی کر مجھے پہنایا کرتی تھی جسے یو۔ پی کی زبان میں ''مرزائی'' کہتے ہیں۔ اب پاکستان میں آ کر ہم نے وہ بھی پہننا چھوڑ دی اور اس کے عوض ''سوئیٹر'' پہن لیا۔ لہٰذا مجھے کسی کا نام یاد ہی نہیں رہا۔ بہر نوع ہمارا تو آخری مسئلہ یہی ہے کہ محمدؐ کے نبی اور اس کے اعلان کے بعد حتمی۔ ظلی۔ بروزی۔ چھوٹا بڑا۔ معاذ اللہ۔ شاعرانہ طور پر بھی کوئی اور نبی ہو سکتا ہی نہیں۔ اگر وہ روئے زمین کے سارے مُردوں کو زندہ کر دے۔ جب بھی نہیں۔ اگر اس کی

ساری پیشین گوئیاں صحیح ہو جائیں۔ جب بھی نہیں۔ وہ کچھ بھی کر دے جب بھی نہیں۔

لہٰذا جب ایک بات طے شدہ ہے کہ "نہیں" تو نہیں ہی نہیں ہے۔ گویا محمدؐ کے بعد کوئی نبی ہو سکتا ہی نہیں۔

پیارے **بچو**! ایک دن مجھے کسی شخص نے کہا۔

"زیدی صاحب! آج فلاں فرقے کا جلسہ ہو رہا ہے۔ وہاں تم بھی چل کے شرکت کرو۔ کیونکہ وہاں وہ اپنی نبوت کے دلائل پیش کریں گے"

میں نے کہا "نہیں بھئی! آج مجھے فرصت نہیں ہے۔ کل آؤں گا۔ آج میں کسی اور جلسہ میں جا رہا ہوں"

اس نے پوچھا کون سا جلسہ؟

میں نے کہا۔ "سُنا ہے۔ اللہ میاں مر گئے ہیں اور آج اُن کی تعزیت میں جلسہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا میں بھی اسی جلسہ میں شرکت کرنے جا رہا ہوں"

اس نے کہا۔ "زیدی صاحب! شرم کرو۔ ہوش میں ہو۔ کہیں اللہ بھی مر سکتا ہے؟"

بس بھائیو! جس طرح اللہ نہیں مر سکتا اسی طرح محمدؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا۔ جس طرح وہ ناممکن ہے اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے۔

بچو!

سُنا ہے کہ بھیڑ کے بچے نے ماں سے کہا کہ۔

"اماں! حُور کیا شے ہوتی ہے؟"

بھیڑ نے جواب دیا۔

"بیٹا! چُپ رہو۔ لوگوں کا مجھ پر ہی شبہ ہے"

بس بھائیو! اسی طرح کسی نے کسی پاگل سے پوچھ لیا کہ۔
"قبلہ! نبی کسے کہتے ہیں؟"
تو اس نے جواب دیا۔
"چپ رہو۔ لوگوں کا مجھ پہ ہی شُبہ ہے"
بہر نوع اس طرح نبنے والا بن جاتا ہے۔ اور بعد میں پتہ چلتا ہے کہ یہ کیا ہوگیا۔
لہٰذا ہمارے نوجوان بچے اپنے ذہنوں میں یہ بات بٹھالیں کہ محمدؐ کے بعد اور کوئی نبی ہو سکتا ہی نہیں۔ وہ خاتم الانبیاء ہیں اور وہی سید الانبیاء ہیں۔ یہی ہمارا ایمان ہے اور یہی ہمارا اعتقاد ہے۔

خداوند عالم! تمہارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔ تمہارے ایمان کو مستحکم فرمائے اور تمہیں توفیق استقامت عطا فرمائے۔ تاکہ تم کہیں ڈگمگا نہ جاؤ، گھبرا نہ جاؤ۔ چاروں طرف سے دشمن کی یلغار ہے اور عشقِ محمدؐ جیسی قیمتی شے تمہارے پاس ہے کہیں کوئی چور یا ڈاکو تم سے یہ قیمتی ہیرا چھین نہ لے۔ اللہ تمہاری تائید فرمائے گا۔ تم حق پر ہو اور حق کی اللہ ضرور مدد فرماتا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
خداوند عالم کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر
درود و سلام

حضرات گرامی قدر!

مجھ سے پہلے سرکار علامہ السید فدا حسین قبلہ مدظلہ العالی یہاں وعظ فرما رہے تھے جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ حسنؑ و حسینؑ جیسے امامؑ عالی مقام کی ماں ہیں۔ لہٰذا آج میں بھی علامہ موصوف سے معذرت چاہتے ہوئے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے بجا فرمایا کہ حسنینؑ کی ماں ہونا بہت بڑی سعادت ہے مگر میں یہ کہتا ہوں کہ سیدہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہ زینبؑ کی ماں ہے۔

بہر نوع ماں کا رشتہ اتنا مقدس اور قابل فخر ہے

حضور والا!

ایک دن حضور رسالت مآب مسجد نبوی میں منبر پہ بیٹھے وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک جناب سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا مسجد میں تشریف لائیں رسولؐ نے جب آتے دیکھا تو خطبہ چھوڑ کر تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ پاس بیٹھنے والوں میں سے کسی نے پوچھ لیا۔

"حضور! یہ بچی کون ہے جس کی اتنی تعظیم کی جا رہی ہے"؟

رسولؐ نے فرمایا: "یہ بچی اپنے باپ کی ماں ہے"

سامعین! اگر رسولؐ کہہ دیتے کہ یہ بچی میری بیٹی ہے تو کیا غلط تھا؟

ہرگز نہیں۔

مگر رسولؐ نے یہ کہہ کر کہ یہ بچی اپنے باپ کی ماں ہے۔ ہمیں یہ بتا دیا کہ اگر مجھے رسالت ملی ہے تو اسی بچی کے صدقے میں۔ اگر نبوت ملی ہے تو اسی بچی کے صدقے میں۔ یہ گویا میری نبوت و رسالت کی ماں ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماں کسے کہتے ہیں؟

نوجوانو۔ عزیزو۔ بچو!

یاد رکھو! ماں اسے کہتے ہیں جو کسی شے کی تربیت اور دنیا میں آنے کا باعث بنے۔ جیسے بھارت ماتا۔ مادرِ وطن وغیرہ وغیرہ۔ مادرِ وطن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم وطن کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہیں بلکہ یہ وہ سرزمین ہے جو اس دنیا میں ہمارے آنے کا باعث بنی۔

جس نے ہماری غذا اور خوراک دی۔ ہماری ضروریات کی جو کفیل ہوئی۔ اس لئے یہ مادرِ وطن ہے اور جس ذریعے سے ہم اپنے مطلب کو دوسرے تک پہنچا سکیں۔ اسے ہم مادری زبان کہتے ہیں خواہ باپ بھی یہی زبان بولتا ہو۔ مگر مادری زبان کہلائے گی نا کہ پدری زبان کہلائے گی۔

بہر نوع لفظ ،،ماں،، کے اندر جو لطافتیں اور وسعتیں ہیں ان کا شمار و بیان ناممکن ہے۔

صاحبانِ ذوق!

ہو سکتا ہے۔ لفظ ،،ماں،، پایۂ عرشِ الٰہی پکڑ کر خدا سے یہ شکایت کرے کہ۔

خداوندا! تو نے مجھے بڑا محبوب بنایا تھا مگر کیا کروں اس لفظ میں کچھ ایسے بھی شریک ہو چکے ہیں کہ جن کی وجہ سے مجھے ،،ماں،،

کہلاتے ہوئے شرم آنے لگتی ہے۔ ورنہ ماں کہنا اور مجھ کو نانا کہنا۔
بہرنوع رسولؐ نے کہہ دیا، "یہ بچی اپنے باپ کی ماں ہے"
یاد رکھو! اس کے معنی ہی یہی ہیں کہ یہ ہے "معدن عصمت" اور
"خزانۂ عصمت" اگر "عصمت کا خزانہ دنیا میں نہ ہوتا تو کوئی نبوت نبوت
نہ بنتی اور نہ کوئی امامت، امامت بنتی۔ گویا نبوت و امامت اسی عصمت کے
صدقے میں باقی رہ گئی۔

حضور والا!

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عصمت رسولؐ کو کس شان سے ملی؟
دیکھو نا: اہل بیت رسولؐ کی طرف سے ایک مشہور و معروف حدیث
ہے کہ جب رسولؐ معراج میں تشریف لے گئے اور مقام جنت میں پہنچے۔

سامعین!

محمدؐ مصطفےٰ کی جنت وہ جنت نہیں ہے جس سے آدمؑ نکالے گئے
تھے اور جہاں آمد و رفت کے سلسلے قائم ہیں۔ گویا محمدؐ کی جو جنت
ہے وہ جنت آلِ محمدؐ ہے جہاں ہمارا تصور بھی نہیں جا سکتا۔
جہاں ہمارا وہم و خیال بھی نہیں جا سکتا کیونکہ جب محمدؐ کے نعلین
تک کسی نبی کا گذر نہیں ہو سکتا تو محمدؐ کی جنت تک کون پہنچ سکتا ہے؟
بہرنوع رسولؐ دوران معراج اپنی جنت کا معائنہ فرما رہے تھے اور جب رسولؐ
نے اعلیٰ سے اعلیٰ شجر دیکھے تو سب سے اعلیٰ شجر پر آپ کی نگاہیں رک گئیں۔ جی میں آیا
کہ اس شجر کا ثمر مجھے ملے۔ اب محمدؐ کے دل کی خواہش تھی کہ وہ ثمر خدمت حضور
رسالت مآب میں پہنچا۔ اور حضورؐ نے عالم معراج میں اسے تناول فرما لیا۔
سامعین! حدیث میں بھی یہی فقرہ ملتا ہے کہ حضورؐ نے عالم معراج

ہیں وہ ثمر تناول فرمالیا اور۔

ادھر مولوی صاحبان یہ فرماتے ہیں کہ ،، روحیں تو کچھ کھاتی پیتی ہی نہیں،
مگر یہاں لکھا ہے کہ ،، تناول فرمالیا ،، اور پھر لطف یہ ہے کہ ،، تناول فرمانے
کا فقرہ بھی بتاتا ہے کہ رسُول کو جسم کے ساتھ معراج ہُوا تھا۔

بہر کیف رسُول نے وہ ثمر تناول فرمالیا اور اس ثمر کی عجیب و غریب خوشبو رسُول
کے دماغ میں بس گئی۔ بڑا ہی لُطف آیا۔ بڑا ہی سواد آیا۔ اب جو وہ ثمر کھانے کے بعد
رسُول اپنے میزبان سے ہمکلام ہوئے اور میزبان نے ایسے لب و لہجہ میں گفتگو کی کہ
سواد اور بھی زیادہ ہوگیا۔ گویا عالم معراج میں انداز کلام بھی دماغ میں بس گیا اور
خوشبوئے طعام بھی دماغ میں بس گئی۔ اسی طرح رسُول معراج سے واپس گھر پہنچے
اور اب رسُول کے پاس معراج کی دو یادگاریں تھیں۔ ایک میزبان کے لب و لہجہ کی
لطافت۔ اور ایک اس ثمر کی خوشبو۔

صَاحبانِ ذوق!

یہی وجہ تھی کہ رسُول جب میزبان کے لہجے کے مشتاق ہوتے تو اپنے بھائی کو
دیکھ کر فرماتے۔

،، یا علیؑ! ادھر آؤ۔ ہم سے کوئی بات کرو۔

چنانچہ بھائی سے باتیں شروع ہو جاتیں۔ اور لہجہ معراج کا لطف بھی آجاتا۔
اور جب اس ثمر کا سواد لینا چاہتے جو جنت آل محمدؐ میں عالم معراج میں تناول فرمایا
تھا تو اپنی بیٹی سیدہ سے کہتے ،، بیٹیا! ذرا میرے پاس بیٹھو، مجھ سے گفتگو کرو۔
تم سے اس ثمر کی خوشبو آتی ہے،،

حضور والا!

واقعہ معراج کے سہال بعد۔ خدیجۃ الکبریٰ کے بطن طیب و طاہر سے اللہ نے رسُول

کو ایک دُختر عطا فرمائی۔ رسُول نے بیٹی گود میں اٹھائی۔ گھبرا کے کبھی ادھر دیکھتے اور کبھی اُدھر دیکھتے ہیں۔ کبھی اوپر دیکھتے ہیں اور کبھی نیچے دیکھتے ہیں۔ رسُول کی اس گھبراہٹ کو دیکھ کر خدیجہؑ پوچھتی ہیں " قبلہ! کیا بات ہے؟

رسُول نے فرمایا:۔

" خدیجہؑ! یہ تو بالکل اسُی ثمر کی خوشبو ہے جو میں نے عالم معراج میں جنّت میں کھایا تھا"

گویا رسُول کو معراج کے کارنامے کا آج ثمر ملا۔

سامعین!

آج تو رسُول کو بھی لُطف آگیا کہ اگر طعام کے شائق ہوں تو بیٹی کے پاس بیٹھ جائیں اور اگر کلام کے شائق ہوں تو بھائی کے پاس بیٹھ جائیں۔ گویا آدھی معراج کا لطف علیؑ کے پاس آجائے اور آدھی معراج کا سواد سیدہ کے پاس آجائے۔

یاد رکھو! اب اگر رسُول ان دونوں کے گھر تشریف لاتے تھے تو ان پہ احسان تھوڑا ہی کرتے تھے۔ بلکہ وہ تو اپنی معراج کے لئے آیا کرتے تھے۔

بزرگان من!

محمدؐ کے گھر میں بچی پیدا ہو گئی۔ اعلیٰ پرورش کے سارے سامان فراہم کئے گئے ثمر معراج کی بات تو رُوحانی بات تھی مگر دنیاوی نقطہ نظر سے بھی جواہرات کا چمچا اس کے منہ میں تھا۔ سینکڑوں کنیزیں تیس تیس تولے سونے کی پیٹی کمر پر باندھے اس بچی کی خدمت میں کھڑی تھیں اور جواہرات ٹکے ہوئے خالص سونے کے گہوارے میں اسے رکھا گیا تھا۔ آخر ملکۂ عرب کی بیٹی تھی۔ عرب کی سرفراز شریف زادیاں اس بچی کے گہوارے کی ڈوریاں ہلانا باعث فخر سمجھتی تھیں۔ گویا رُوحانی عظمتیں محمدؐ کی بدولت اور دنیاوی راحتیں ماں کی بدولت اس بچی کو حاصل

تھیں۔ اس طرح شہزادی کی بڑے ناز و نعم کے ساتھ پرورش کی جا رہی تھی۔

سامعین!

زمانے کا انقلاب کہو یا وقت کی گردش کہو کہ ابھی یہ بچی تین سال کی تھی کہ باپ پہ مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے کر دیے لوگ جو محمدؐ کے پاس بیٹھتے تھے۔ انہیں پاس نہ رہا۔ جن سے خون کا رشتہ تھا وہ لہو کے پیاسے ہو گئے۔ جو گلے ملتے تھے۔ انہیں گلا پیدا ہو گیا۔ جن سے پیار تھا وہ دور ہٹنے لگے۔ جن کے دل موم کی طرح نرم تھے۔ وہ سنگدل ہو کے پتھر مارنے لگے۔ جو پھول کی طرح کھلتے تھے وہ کانٹے بچھانے لگے۔ جن کے ساتھ دوستی تھی۔ وہ دشمنی کے ساتھ پیش آنے لگے۔ جنکے منہ مسکراتے تھے وہ منہ بنانے لگے جن کی عزت بنا دی تھی وہ ذلیل کرنے کے درپے ہو گئے۔ جو اپنے تھے۔ وہ غیر بن گئے۔ غرض تمام کائنات ایک انسان کے مقابلے میں اکٹھی ہو گئی۔ اور محمدؐ ایک طرف اکیلے کا اکیلا نمائندہ۔ اور اتنا بے بس نمائندہ! نہ سر پہ باپ کا سایہ۔ نہ اُستاد کا سایہ۔ نہ مربی کا سایہ۔ نہ خاندان کا سایہ۔ نہ کسی محافظ کا سایہ اور حد یہ کہ نہ اپنا سایہ۔ انتہا بے سایہ انسان ایک طرف ہے اور پوری دُنیا اس کی مخالفت کر رہی ہے۔

اب بتاؤ! جب ایسے انسان پر جس پر اتنے زیادہ مصائب ہوں تو اس کی پوزیشن کیا ہو گی۔ اسی دوران کسی نے سیدہ سے کہا کہ خانہ کعبہ کے سامنے والے صحن میں دشمنوں نے تیرے باپ کو گھیر رکھا ہے۔ وہ سجدے میں ہیں اور اُنکی کمر پہ دُنیا بھر کے بوجھ لا کے رکھ دیئے گئے ہیں۔

یہ سنکر بچی دوڑتی ہوئی گھر سے باہر نکلی۔ تین برس کا سن۔ جب مشرکین نے بچی کو آتے دیکھا تو چلائے۔

ہٹ جاؤ۔ خدیجہؓ کی بیٹی آ رہی ہے۔

گویا مشرکین کے دل میں بھی خدیجہؓ کی اتنی عظمت تھی۔ اب اُن مشرکین سے کون پوچھے کہ جب خدیجہؓ کی تین سال کی بیٹی کا تو اتنا احترام کیا جا رہا ہے مگر اس کی جوان بیٹیوں کو طلاق دے کر گھر سے کیوں نکال دیا۔؟ کیا اس وقت احترام خدیجہؓ یاد نہ تھا!؟ بہرنوع اس شان شوکت سے حضور سیّدہ طاہرا سلام اللہ علیہا کی پرورش ہوتی رہی۔ جب آنحضؐ نو سال کا سن ہوا تو حضورؐ کو مکّے سے ہجرت کرنا پڑی۔ چنانچہ حضورؐ اپنے عزیزوں کو چھوڑ کر مدینہ تشریف لائے۔

حضور والا!

آپ لوگ جذبات وعقیدت کی رُو سے ہجرت کے واقعات سنتے ہیں کبھی ان واقعات کو دنیاداری اور عام معاملات کی رو سے بھی سن لیا کریں کہ اتنا بڑا خطرناک ماحول۔ دشمنوں کا اتنا بڑا غلبہ کہ محمدؐ کا رہنا بھاری ہے۔ اتنے بڑے خطرناک ماحول میں محمدؐ اپنی جان بچا کے تو چلے گئے مگر بیٹی کو اور اپنے ناموس کو دشمنوں میں ہی چھوڑ دیا۔

اب بتاؤ! اپنی بیٹی اور ناموس کو دشمنوں میں اکیلے چھوڑ کر اپنی جان بچا کر چلے آنا۔ یہ کوئی شریفوں کا شیوہ ہے!؟ آخر محمدؐ نے اپنی بیٹی اور ناموس کی حفاظت کا کوئی پکا انتظام کیا ہوگا۔ کہ رسولؐ کو اپنے ناموس چھوڑنے پر کوئی خطرہ ہی نہیں محسوس ہوا ورنہ اپنی جوان بیٹی کو اتنے بڑے خطرناک ماحول میں چھوڑ کر چلے جانا ناممکن بات تھی۔ اللہ جانے ایک نوجوان نے رسولؐ کے گھر میں رہ کر کتنی چیزوں سے رسولؐ کو مطمئن کر دیا۔ نہ ناموس کا خطرہ باقی رہنے دیا اور نہ ہی رسولؐ کی زندگی کا خطرہ باقی رہنے دیا۔

صاحبان!

دُنیاوی نقطۂ نظر سے کبھی کبھی یہ بھی سوچ لیا کرو۔ کہ وہی بھپرے ہوئے عرب اور بگڑے ہوئے مشرک جو رات کو قتلِ رسولؐ کے لئے آئے تھے۔ آج

رسُول کے گم ہو جانے پر اُن کا غصّہ ایک دم بڑھ گیا ہو گا یا نہیں ؟ بہت ہی بگڑے ہوں گے ۔ بڑا ہی غصّہ آیا ہو گا ۔ اپنے ہی ہاتھوں کو کاٹتے ہوں گے ۔ کہ ہم سے کیا غلطی ہو گئی ۔ ہم نے آئے ہوئے شکار کو کیوں جانے دیا ۔ اور سب سے زیادہ غصّہ تو اس نوجوان پر آیا ہو گا کہ جس نے ان کی ساری سکیم کو بستر پہ سو کے ضائع کر دیا چنانچہ حضرت ابولہب اور ابوجہل صاحب ۔ جو تمام قبائل کے تجربہ کار بہادر تھے ۔ اس بچے کی اس حرکت کو دیکھ کر بہت پریشان ہوئے ۔ اور کہنے لگے ۔

اس بچّے نے تو ہمارا تمام پروگرام خاک میں ملا دیا ۔ اس بچّے سے تو وہ بڈھا اچھا تھا جو رو رو کے اشارے دیتا رہا ۔ اللہ جانے اس بچّے نے کیا کر دیا ۔ ابی طالبؑ کا یہ لڑکا تو بڑا ہی عجیب نکلا ۔

میں کہتا ہوں ، بزرگو !

تم فکرمند کیوں ہو گئے ۔ اگر واقعی اس بچّے نے تمہارا منصوبہ خاک میں ملا دیا ہے تو بہتر ہے کہ تم اسی سے ہی سارا بدلہ اتار لو ۔ اور پھر یہ بچّہ بھی بڑی نازک پوزیشن میں ہے ۔ کیونکہ اس کے ساتھ پردہ دار خواتین بھی ہیں ۔

سامعین !

تاریخ عالم گواہ ہے کہ جب یہ عرب سردار اس نوجوان کے پاس آئے اور پوچھا کہ محمدؐ کہاں ہیں ۔ تو تمام مذاہب فکر کی تاریخ پڑھ ڈالو تمہیں یہی فقرہ ملے گا ۔ کہ اس نوجوان نے جواب میں صرف یہی کہا " کیا تم محمدؐ کو ہمارے سپرد کر گئے تھے ۔ جاؤ میرے گھر سے نکل جاؤ "

تاریخ عالم گواہ ہے کہ بچّے کا فقرہ سن کر تمام اہل مکہ خاموش ہو گئے ۔ اللہ جانے

اس نوجوان کا ان لوگوں پر کتنا رعب تھا کہ صبح کو وہی اُن سے کہہ رہا ہے کہ مجھے چار اونٹ کرائے پر چاہئیں۔ لطف یہ ہے کہ اونٹ ان ہی سے مانگ رہا ہے۔ جو رات کو گھر گھیرے کھڑے تھے اور بڑی شان وتمکنت سے کہہ رہا ہے۔

"دیکھو! آج ہم جا رہے ہیں۔ کسی میں ہمت ہو تو روک کے دیکھ لے"

اب بتاؤ! قدرت کے بہائے ہوئے سمندر کے دھارے کو کون روک سکتا ہے اور اللہ کی چمکائی ہوئی بجلی کی لہر کے سامنے کون ٹھہر سکتا ہے۔ بہرنوع علیؓ بڑے آرام سے اونٹوں پر محملیں بندھوا کے۔ پردے کا انتظام کرکے مستورات کو سوار کرکے۔ خود پیدل چل پڑے اور اہل مکّہ سے کہہ رہے ہیں۔

"مکہ والو! ہم جا رہے ہیں۔ کسی میں ہمت ہے تو روک کے دیکھ لے"

بھائیو! ایک بات بتاؤ کہ اگر وہ اہل مکّہ محمّدؐ کے اہل وعیال کو یرغمال کرلیتے تو محمّدؐ واپس آنے پر مجبور ہو جاتے یا نہیں؟ مگر کسی کو ہمت ہی نہیں تھی کہ نہیں روک سکتا۔ تاریخ عالم کی ان اداؤں پہ دُنیا مرتی ہے کہ اس بچے میں کیا کمال تھا۔ کہ اتنے بڑے دشمنوں کے نرغے سے ناموس رسُولؐ کو نکال کرلے آیا۔

بہرنوع قافلہ چل پڑا اور سب اہل مکّہ اپنے گھروں کے پیچھے۔ مکانوں کی چھتوں پر۔ منڈیروں کی آڑ میں بیٹھے بیٹھے یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ جانے! محمّدؐ کا یہ بھائی کتنا زبردست ہے۔

سامعین کرام!

یکم ربیع الاوّل کو محمّدؐ نے مکّے سے ہجرت کی اور جب قافلۂ ناموسِ محمّدؐ مدینے پہنچا تو اس دن آٹھویں ربیع الاوّل تھی اور جب رسُولؐ اپنے ناموس ومستورات کے ساتھ مدینہ وارد ہوئے تو نو ربیع الاوّل تھی۔ بہرکیف! ربیع الاوّل گذرا۔ ربیع الثانی گذرا۔ جمادی الاوّل گذرا۔ جمادی الثانی گذرا۔

حتی کہ جب ذیقعد کا آخری ہفتہ تھا تو کچھ صنادید عرب نے بقول مسلمانوں کے جو آسمانِ اسلام کے شمس و قمر کہلاتے ہیں، انہوں نے آپس میں صلاح مشورے کئے اور سر جھکائے رسُول کی خدمت میں آبیٹھے۔

رسُول نے پوچھا: "کیوں بھئی۔ خیریت تو ہے۔ آج بڑے اُداس دکھائی دیتے ہو"

چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا: "بڑے بھائی! تم کہونا"

رسُول نے پھر فرمایا: "کہو۔ کیا کہنا چاہتے ہو"؟

چنانچہ دونوں نے جو آسمانِ اسلام کے شمس و قمر کہلاتے ہیں۔ بڑے لجاجت آمیز لہجے میں عرض کی۔

"سرکار! ہم حضوؐر کے غلام ہیں۔ حضوؐر کے نوکر ہیں۔ حضوؐر کے ہاتھوں پہ ہی مسلمان ہوئے"

رسُول نے فرمایا:

"ہاں ہاں! ٹھیک ہے مگر تم چاہتے کیا ہو؟"

"قبلہ! عرض یہ ہے کہ ہم —— اگر —— حضور ہمیں اپنی فرزندی میں قبول کرلیں۔"

بس بھائیو!

تاریخ عالم گواہ ہے کہ اتنا فقرہ منہ سے نکلنا تھا کہ رحمت اللعالمین کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور پُورے غصے میں فرمایا۔

"خبردار! اگر کسی نے میری بچی کا نام اپنی زبان پہ لیا۔ نکل جاؤ یہاں سے۔"

سامعین! ..... اب بتاؤ! کوئی ہے جو رسُول سے یہ پُوچھے کہ

"حضورؐ! ... تو بیچارے آسمانِ اسلام کے شمس و قمر ہیں جنھیں آپ نے چھوڑ دیا۔ مگر یہ نہ دیکھا کہ اس بچی کی بڑی بہنوں کو مشرکوں کے حوالے کر دیا۔ یا تو وہ بیٹیاں ہی نہیں تھیں یا پھر یہ بچی ان سے مختلف ہے۔"

بہر نوع دونوں بزرگ حالت پریشانی میں اٹھ کر چل پڑے اور آپس میں کہنے لگے

"اگر محمدؐ نے ہمیں ٹھکرا دیا ہے تو پھر اس کا رشتہ اللہ ہی کے ہاں سے آئے گا"۔۔۔۔۔ رسولؐ نے بھی یہ گفتگو سن لی۔ دل میں سوچا۔

"میرا بھی نام محمدؐ ہے۔ میری بیٹی کا رشتہ اللہ ہی کے ہاں سے آئے گا"۔

بزرگانِ من!

جس طرح ہم مولویوں کی دوڑ مسجد تک ہی ہوتی ہے اسی طرح رسولؐ کی دوڑ بھی اللہ تک ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ محمدؐ نے وہیں مصلیٰ بچھایا اور دعا مانگی۔

"خداوندا! یہ لوگ مجھے طعنے دے رہے ہیں۔ تو نے ہی میری بچی کو جنتِ محمدیؐ کا ثمر بنایا تھا۔ تو نے ہی اس کو سیدۃ النساء بنایا تھا۔ تو نے ہی اس کو خزینہ عصمت بنایا تھا۔

تو کہتا ہے کہ جب تک جوڑ برابر کا نہ ہو رشتہ نہ ہو۔ اب مجھے نہیں معلوم کہ اس کا رشتہ کہاں ہو گا۔ لہٰذا تو ہی بتا کہ یہ رشتہ کہاں ہو گا؟"

رسولؐ یہ دعا فرما رہے تھے اور قدرت کی طرف سے مسکراہٹ کے گلدستے نذر کئے جا رہے تھے۔

"محمدؐ! گھبراؤ نہیں۔ تمہاری بیٹی کا رشتہ ہمارے گھر ہی ہوگا"

"بولو! ہمارے گھر رشتہ کرنے پر راضی ہو؟"

محمدؐ نے سر جھکا کے اپنے محبوب سے فرمایا:۔

"خداوندا۔ رشتہ تو منظور ہے مگر باضابطہ طور پر منظوری کی رسم بھی ہونی چاہیئے۔ لہٰذا تو باقاعدہ میری طرف پیغام بھیج تا کہ میں بھی غور کر دوں"

اعلیٰ حضرت نے کہا:۔

"محمدؐ! ہم آج ہی کی رات تمہیں پیغام بھیجیں گے مگر یاد رکھنا ہمیں بھول نہ جانا"

اے حضور والا!

اعلیٰ حضرت نے اب رشتہ کی تیاریاں شروع کر دیں کہ رشتہ ہم کریں گے رشتہ ہماری طرف سے ہوگا۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے آج کی رات رشتہ یوں طے کیا۔

اپنی قدرت کی بے پناہ وسعتوں کو سمیٹ کے رشتہ کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی تمام طاقتوں کو ایک مرکز پہ جمع کیا۔ کائنات میں پھیلی ہوئی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کو ایک جگہ لا کے اکٹھا کیا اور جب اللہ صحیح معنوں میں اللہ بن کے مسند عزوجل پہ بیٹھ گیا تو کہا:۔

"آج محمدؐ کے گھر رشتہ ہوگا"

چنانچہ چاروں طرف کہکشاں کی سڑکیں بنا دیں اور نصری و شیری کے صوفے بچھا دیئے۔ سنبلا کے گلدستے سجا دیئے اور قوس قزح کی تنائیں لگا دیں دل بادل کے سائبان لگا دیئے۔ اور شفق کے پردے لٹکا دیئے اور تمام مخلوق سما دی

اپنے اپنے ترتیب سے آکے بیٹھ گئے سوالاکھ انبیاء بھی اپنی کرسیوں پر آکے بیٹھ گئے۔ اور ملائکہ انتظام میں کھڑے ہو گئے۔ اور حوروں نے جنّت کے دریچے کھول کر اس محفل کا منظر دیکھنا شروع کیا۔ چنانچہ جب ساری محفل جم گئی تو اعلیٰ حضرت نے پوری جلال و جبروت کی آواز کے ساتھ خطبہ پڑھا۔

" اے آسمان کے رہنے والو!

اے فرشتو!

قلعۂ معلیٰ شاہی میں پیدا ہونے والے سعادت مند فرزند کا رشتہ آج ہم رحمت اللعالمین کی دختر نیک اختر سے کرنا چاہتے ہیں گویا آج قدرت و رحمت کا جوڑ ہوگا "

اعلیٰ حضرت کی یہ بات سُنکر تمام مخلوق سماوی نے کہا :-

" خداوندا - مُبارک ہو - ان سے بہتر کیا جوڑ ہو سکتا ہے - مگر ہمارا انعام ہمیں دیا جائے "

اعلیٰ حضرت نے فرمایا :-

" ہاں ہاں تمہارا انعام تمہیں ضرور ملے گا - مگر جب ملے گا جب بارات لڑکی کے گھر پہنچے گی - اور دیکھو! پہلے تم ایسا انتظام کرو کہ تم میں سے کوئی صاحب ہماری طرف سے لڑکی والے کے گھر جائیں اور ہماری طرف سے یہ پیغام دیں کہ ما بدولت یہ رشتہ چاہتے ہیں۔

اور دیکھو! ہم آج ہی اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں۔ محفل ستارگان بھری پڑی ہے لہذا بتاؤ تم میں سے کون جائے گا؟

جبرئیل نے بڑھ کے عرض کی :- " خداوندا - میں حاضر ہوں "

اعلیٰ حضرت نے فرمایا :- " جبرئیل! دیکھو - ہر بات میں دخل نہ دیا کرو۔

اپنی حیثیت میں رہو۔ آج تمہارا جانا مناسب نہیں۔ لوگ یہی کہیں گے کہ جزیلی
پہلے بھی آیا کرتا تھا۔ اگر آج آگیا تو کیا ہوا۔ لہٰذا تم بیٹھ جاؤ۔ خیر سے جب
بچے ہوں گے تو انہیں بہلانے چلے جانا۔ ان کا جھولا جھلانے چلے جانا۔

محترم سامعین!

محفل سیارگان میں سے آفتاب نے عرض کی۔

" خداوندا۔ چونکہ میں سید نجوم ہوں لہٰذا اجازت ہو تو میں چلا جاؤں اور
شعاعوں کا سہرا پیش کر کے منگنی کی رسم پوری کر دوں "؟

قدرت نے جواب دیا۔

" آفتاب! تمہاری عرضی تو قابل قبول ہے مگر یہ خوشی کی تقریب ہے
اور خوشی کی تقریب میں جلنے والے اچھے معلوم نہیں ہوتے لہٰذا تم بیٹھ جاؤ"
چنانچہ سورج بھی بیٹھ گیا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت نے چاند سے پوچھا۔
"کیوں میرے چاند! جاؤ گے؟"

چاند نے عرض کی:۔

" خداوندا! جانے میں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر جہاں تو مجھے بھیج رہا
ہے۔ وہ تیرے محبوب کا کوچہ ہے۔ وہاں مجھ غریب پر انگلیاں اٹھتی ہیں اور
میں کٹ جاتا ہوں لہٰذا مجھے وہاں جاتے ہوئے شرم آتی ہے"

صاحبانِ ذوق!

اعلیٰ حضرت کی نگاہِ انتخاب آخر " ستارۂ زہرہ " پہ آ کے رُکی۔
" زہرہ! ہماری طرف سے رشتہ کا پیغام لیکر جاؤ گے؟"
زہرہ نے عرض کی: خداوندا! اس سے بڑھ کے اور سعادت کیا
کیا چاہیے، چنانچہ زہرا نے گلدستۂ پیغام لیکر زمین کی طرف روانگی کا

کیا۔ اور زہرہ کو آتے جو دیکھا تو مرکز عالم و عالمیان نے کہا "اللہ اکبر" جب زہرہ "بیت النبوی" میں ٹھہرا تو کہا۔ الحمد للہ، اور جب پیغام مسرت لیکر واپس جاتے دیکھا تو کہا، سبحان اللہ"

بس بھائیو!

یہ فقرے تسبیح جناب سیدہ۔ مومنوں کو "بارات" کی خوشی میں انعام کے طور پر ملے تاکہ قیامت تک آنے والا ہر مومن اس بارات کی زیارت سے فیض یاب ہوتا رہے۔

اور یاد رکھو! تسبیح سیدہ تو بن گئی۔ مگر اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جتبک نماز کے بعد جن کے لئے سیدہ نے "دعا" کا وعدہ کیا ہے۔ ان کے لئے دعا کرو اور جن کے لئے "بد دعا" کو کہا ہے۔ ان کے لئے بددعا کرو۔ تب جاکے تسبیح سیدہ مکمل ہوتی ہے۔

سامعین کرام!

اعلیٰ حضرت کی طرف سے جب رشتہ مکمل ہوگیا تو محمدؐ نے فرمایا:۔

"یا علیؑ! ہم اپنی لڑکی کا عقد تمہارے ساتھ کرنا چاہتے ہیں"

علیؑ نے شرم سے سر جھکا دیا۔ اور رسولؐ نے پوچھا۔

"یا علیؑ! میری بچی کا مہر کیا ہوگا؟"

"علیؑ خاموش ہیں۔ سمجھ نہیں آتی کہ اتنے بڑے گھر کی بیٹی کو کیا مہر پیش کروں۔ آخر عرض کی۔

"قبلہ! میرے پاس جو سامان ہے وہ حضورؐ کو معلوم ہے۔ میرے پاس صرف ایک گھوڑا۔ ایک تلوار اور ایک زرہ ہے"

رسولؐ ہنس کے فرماتے ہیں: یا علیؑ! ان میں سے غیر ضروری شے تمہارے

پاس صرف زرہ ہے لہٰذا اسے بیچ دو "

بزرگو!

انصاف چاہتا ہوں۔ بتاؤ! کیا ابوطالبؑ کے بیٹےؑ کی جان اتنی سستی تھی۔ خواہ دوسرے اصحاب چھ چھ زریں پہن کر میدان جنگ میں جائیں مگر غریب ابی طالبؑ کے بیٹے کے پاس ایک ہی ٹوٹی پھوٹی زرہ تھی وہ بھی بکوادی۔

رسولؐ جواب میں فرماتے ہیں،

" دیکھو نا۔ دوسروں کو زرہ کی ضرورت ہو گی مگر میرا بھائیؑ زرہ وغیرہ کا محتاج نہیں ہے۔ یہ تو صرف رسمی طور پر جنگی لباس پہن لیتا ہے۔ ورنہ علیؑ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

حضرات!

آپ کو تاریخ کے چند جملے سناتا جاؤں جو علیؑ کی زرہ کی تعریف میں لکھے گئے ہیں۔ تاریخ میں تو یوں ہے کہ علیؑ کی زرہ کپڑے کی بنی ہوئی تھی اور اگلی طرف تھوڑا سا لوہا لگا ہوا تھا۔ ایک دن کسی نے پوچھ لیا۔

" یا علیؑ! کپڑے کی زرہ کیوں پہنتے ہو"؟

حضورؑ نے فرمایا " تاکہ سپاہی کی باضابطہ وردی مکمل ہو جائے"۔

پھر پوچھا گیا۔

" یا علیؑ! زرہ کے سامنے کی طرف لوہا کیوں لگوایا ہے؟

فرمایا " تاکہ سامنے سے لڑنے والا آئے تو لوہا دیکھ لے"۔

یا علیؑ! اگر کسی نے زرہ کے پیچھے سے وار کر دیا تو"؟

علیؑ نے فرمایا " ابی طالبؑ کا بیٹا اس دن زندہ ہی نہیں رہے گا جس دن دشمن

پشت پر آنے کا موقعہ دے ۔"

بہر نوع علیؑ کی یہ ذرہ تھی جس کے لئے رسولؐ نے فرمایا کہ اسے بیچ دو۔ چنانچہ امیرالمومنینؑ نے ایک سو سات روپیہ میں وہ ذرہ فروخت کر دی اور پیسے لاکر حضور رسالت مآبؐ کے سامنے رکھ دیئے۔ حضورؐ نے ان پیسوں میں سے کچھ تو مہندی منگوائی۔ ایک جوڑا کپڑا منگوا لیا اور باقی کچھ اور سامان۔ اس کے بعد شہنشاہ ارض و سماء اپنے گھر میں جاکر اپنی بیٹی کے جہیز کا سامان تیار کرنے لگے۔ اور شام تک جہیز تیار ہو گیا۔ جب سب کچھ تیار ہو گیا تو مسجد میں بیٹھ کر رسولؐ نے نکاح پڑھا اور کچھ دیر بعد سیدہ کو رخصت کرنے کی تیاری ہونے لگی۔

ادھر علیؑ نے اپنے کچے فرش کو اس طرح سجایا کہ ایک بکری کی کھال بچھائی جس پہ دلہن کو لاکے بٹھانا تھا۔ ایک طرف ایک اور بوریا بچھا دیا تاکہ کوئی ملنے والا آئے تو یہاں بیٹھ جائے۔ اس کے بعد امیرالمومنینؑ نے اپنا تولیہ ایک کھونٹی پہ لٹکا دیا اور دوسری کھونٹی پہ آٹا چھاننے والی چھانی لٹکا دی۔ اور جب مشکل کشاء عالمین کی محل سرا تیار ہو گئی تو شہنشاہ ارض و سماء کی اکلوتی بیٹی کا جہیز نکلنے لگا ادھر دنیا تماشائی کھڑی ہے کہ اللہ جانے۔ سیدالانبیاءؐ اپنی اکلوتی بیٹی کو جہیز میں کیا کیا دیں گے۔ مگر دنیا نے دیکھا کہ جب جہیز کا سامان برآمد ہوا تو سونے کیلئے ایک بوریا تھا اوڑھنے کے لئے ایک چادر تھی۔ پانی پینے کے لئے لکڑی کا ایک گلاس تھا۔ آٹا پیسنے کے لئے ایک چکی تھی۔ کچھ چاندی کی چوڑیاں تھیں اور دو تانبے کی دیگچیاں تھیں اور ایک مشکیزہ تھا۔ یہ گویا اس کی بیٹی کا جہیز تھا جس نے عرب کی لاکھوں بیٹیوں کی لاکھوں روپے دے کر شادی کروا دی تھی۔

بہر نوع شہنشاہ ارض و سماء کی اکلوتی بیٹی کا جہیز سروں پہ اٹھائے حباب چلے۔ ادھر حضورؐ نے ایک ناقے کے اوپر محمل لگا کر سیدہ کو

اس میں بٹھا دیا اور تمام امہات المومنین کو حکم دیا کہ میری بیٹی کے جلوس کے پیچھے پیچھے مدحیہ اشعار پڑھتی چلو۔ چنانچہ ہر ام المومنین مدح کے اشعار پڑھتی ہوئی چلی جارہی تھی اور رسول زار زار رو رہے تھے "ہائے۔ آج خدیجہؓ زندہ ہوتی۔ ہائے آج چچا ابی طالبؑ زندہ ہوتے"

بہرنوع ہاشمؓ کی قیادت میں سیدہ کی شادی کا جلوس گذرنے لگا تو اچانک حضور رسالت مآبؐ نے تمام مسلمانوں میں سے سلمان فارسیؓ کو آواز دی۔

"سلمانؓ! ادھر آؤ"

جب وہ پہنچے تو حضورؐ نے ناقے کی مہار سلمانؓ کے ہاتھ میں دیدی۔

حضور والا!

یہ ہے اپنے اپنے اقبال کی بات۔ اتنا قدردان ہے یہ خاندان کہ اگر کوئی ان سے محبت کرے تو یہ اس کا صلہ ضرور دیتے ہیں۔

بہرکیف۔ شادی کا یہ جلوس رسول کے گھر سے روانہ ہو کر علیؑ کے گھر میں آگیا۔ اور سیدہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کی آج شادی ہو گئی۔

آج ہم نے اسی شادی کی یادگار کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا ہے۔ چراغاں کیا ہے۔ آج ہمارا یوم عید ہے۔ آج ہم ان طعنہ دینے والوں کو جو یہ کہتے ہیں کہ شیعہ روتے ہیں۔ انہیں یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم جیسا ہنس مکھ بھی کوئی نہیں ہو سکتا آج آپ لوگ براتی بن جائیں اور ہمیں اس دربار کا بھانڈ بن جائیں اور آج ہم متوالے فریاد کرتے ہیں۔

اضافۂ شکریہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
خداوند عزّ اسمہٗ و جل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات
محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

معزز سامعین کرام!

اللہ کی طرف سے انسان کے اندر ودلیعت کردہ طاقتوں اور صلاحیتوں کو موقع کے مطابق عمل میں لانے کا نام "اسلام" ہے۔ گویا اسلام انسان کی کسی طاقت کو معطل نہیں کرتا بلکہ انسانی طاقتوں اور صلاحیتوں کو صحیح طریقے سے استعمال میں لانے کا نام ہی اسلام ہے۔

دیکھو نا! علم لغت یعنی زبان کے اعتبار سے عربی زبان میں طاقت کے کمال کو "ملکہ" کہتے ہیں۔ اب اگر آپ لفظ "ملکہ" کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ سوچیں کہ جب اللہ نے انسان کو پیدا کیا تو تمام ملائکہ کو حکم دیا کہ اس کے تابع ہو جاؤ" گویا دنیا کی جتنی قوتیں اور طاقتیں تھیں۔ ان سب کو حکم ہوا کہ "تم انسان کے تابع ہو جاؤ" لہٰذا تمام طاقتیں انسان کے تابع ہو گئیں۔ صرف ایک نفسِ انسانی کی طاقت تھی جو "شیطان" بن کے باغی ہو گئی۔

اور یاد رکھو! ان تمام طاقتوں پر غالب آنے والا "غالب" کہلاتا ہے۔ اور جو اپنے نفس کی طاقت پر غالب ہو جائے وہ "کُل غالب" کہلاتا ہے۔ بہر نوع انسان تمام طاقتوں کا منبع اور مرکز ہے اور ان تمام طاقتوں کو صحیح استعمال کرنا ہی اسلام ہے

بزرگانِ من!...... اس تمہید کے بعد میں آپ سے آسان

لفظوں میں گفتگو کرتا ہوں۔ جہاں ہزاروں طاقتیں انسان میں ہیں وہاں انسان میں یہ بھی ایک طاقت ہے کہ وہ کسی حد پر جا کر رکنا پسند نہیں کرتا۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ انسان چاند پہ جا کر رُک جائے گا۔ بلکہ چاند پہ پہنچ کر بھی کہیں اور جانے کی کوشش کرے گا۔ گویا کسی حد پر نہ رکنا یہ بھی انسان کی ایک طاقت ہے جو انسان کے اندر موجود ہے۔

محترم سامعین!

مثال کے طور پر سمجھاتا ہوں کہ ایک بچّہ مجھے کہتا ہے۔

"زیدی صاحب! مجھے نوکر کروا دو۔"

میں نے پوچھا۔ "برخوردار! کتنی تنخواہ چاہیئے"؟

نوجوان بولا: "تقریباً بیس روپے مل جائیں گذارہ ہو جائے گا۔"

اتفاق سے ہم نے سَو روپیہ ماہوار کی نوکری دلوادی۔ اب جو چند دنوں بعد ہم نے اس نوجوان سے پُوچھا۔

"برخوردار! حال کیسا ہے؟ تو کہنے لگا۔

"زیدی صاحب! سَو روپیہ میں گذارہ مشکل ہے"۔

پھر نوع! ہم نے کسی طرح سے اس کی دو سَو روپیہ ماہوار کروادی۔ مگر اب پھر چند دنوں بعد پُوچھا تو یہی جواب ملے گا کہ "گذارا مشکل ہے" آخر ہم نے ہزار روپیہ کردیا مگر پھر بھی شکایت کہ گذارا مشکل ہے۔ کیا مجال جو کسی جگہ پر انسان رکتا ہو۔ آخر ہم نے مشورہ کر کے اسے پُورا ضلع دے دیا تاکہ اس کا گذارا ہو جائے۔ لیکن چند دنوں بعد پوچھا کہ بس! وہ بولا "نہیں" پھر ہم نے اسے ایک کمشنری دے دی۔ پھر پوچھا۔ بس؟ مگر اس نے پھر اسی نفی میں سر ہلا دیا۔ آخر ہم نے مجبوراً پورا ملک دے دیا۔ لیکن اس کی "نہیں" بدستور قائم رہی۔ اب

آپ چاہے اسے پوری دنیا دے دیں۔ مگر جب بھی پوچھیں گے وہ یہی کہے گا "ابھی اور"۔ کیا مجال جو اس کی "ابھی اور" ختم ہو جائے۔ لہٰذا اس "اور" کے جذبے نے انسان کو چڑھا چڑھا کے "خدا" بنا دیا۔ مگر ادھر انسان ہے کہ خدا بننے کے بعد بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا بنوں؟ کہ اسے "موت" آگئی۔ گویا موت نہ آتی تو انسان کچھ اور بن جاتا۔

سامعین!

آپ یقین فرمائیں کہ فرعون و نمرود پاگل نہیں تھے، یہ کوئی احمق نہیں تھے انہیں پتہ تھا کہ ہم خدا نہیں مگر یہ "اور" کا جذبہ تھا جو انہیں خدا بنوا رہا تھا۔

یاد رکھو! دو چیزیں انسان کا دماغ خراب کر دیتی ہیں ایک "جذبہ اور" اور دوسرا "پاس بیٹھنے والا"۔ اس لئے کہ اگر بننے والے نے ناجائز بات بھی کہہ دی تو پاس بیٹھنے والے کہہ دیتے ہیں۔

"حضور! بالکل درست ہے۔ حضور! بالکل بجا ہے"

اور بننے والا یہ سمجھتا ہے کہ میں واقعی "بالکل درست ہوں" کیونکہ اتنے آدمی میری بات کو درست اور بجا کہہ رہے ہیں

دیکھو نا! بیچارے نمرود و فرعون نے ہزاروں بار لوگوں سے کہا کہ ہم خدا نہیں بن سکتے۔ مگر پاس بیٹھنے والوں نے کہا "نہیں۔ تمہیں بننا پڑیگا" آخر وہ بن گئے۔ کیونکہ ان میں "اور" کا جذبہ تو پہلے ہی سے تھا اس لئے وہ لوگوں کے بننے سے فوراً بن گئے۔ بہرکیف یہ انسانوں کی ایک عادت ہے جو کثرتِ استعمال سے "فطرت" بن جاتی ہے۔ اور انسان کے اندر "ہوس" کا جو مرکز ہے انسان کا "دماغ" ہے اور دماغ کی شکل الٹے پیالے جیسی ہے جسے چاہے تم سمندر بھر دو مگر خالی ہی رہے گا۔ اس لئے انسان "اور" کی رٹ لگاتا

ہے۔ اور جب قبر میں جائے گا کیڑے کھا جائیں گے گویا جب الٹا پیالہ سیدھا ہو جائے گا تب اگر "اور" نہ کہے ورنہ بیاں تو کہتا ہی رہے گا۔ جبتک یہ الٹا پیالہ موجود ہے۔

بزرگو! یاد رکھو، جتنی جنگیں، لڑائیاں، مقدمے اور فسادات دنیا میں ہوئے ہیں ان سب کے پس پردہ صرف اور صرف "جذبہ اور" ہے جو انسان کو لڑائیوں جھگڑوں اور فسادات پر آمادہ کرتا ہے۔

محترم سامعین!

اللہ نے ایک طرف تو ہمیں فتنہ و فساد سے منع کیا ہے اور دوسری طرف ہم میں "اور" کا جذبہ ودیعت کر دیا ہے گویا سمندر میں پھینک کر کہہ دیا کہ:۔

"دامن تر نہ ہونے پائے" بتاؤ! ہمارا سخت امتحان ہے یا نہیں؟

آخر ہم خدا ہی سے پوچھتے ہیں، "خداوندا۔ تو ہی کوئی تدبیر بتا کر ہمارا "اور" کا جذبہ بھی پورا ہوتا رہے اور دنیا میں فساد و لڑائی بھی نہ ہو"

اللہ جواب میں فرماتا ہے:۔

"سنو! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ"

اگر ایک نعمت کے ملنے پر تم شکر ادا کرو گے تو میں اللہ، تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس میں اور اضافہ کر دوں گا۔ چونکہ اضافہ میرے ذمہ ہے لہٰذا میری عطا لامحدود ہے۔ تمہارا "اور" تھک جائے گا مگر میری "عطا" نہیں تھکے گی۔

صاحبان! اس شکر کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ شام کو پیٹ بھر کے روٹی کھائی اور لیٹ گئے پیٹ پہ ہاتھ رکھ کے اور کہا "یا اللہ! تیرا شکر ادا کرتا ہوں لہٰذا صبح کو گوشت عطا فرمائے گا" حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ خدا کی نعمت کا صحیح شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر تم واقعی خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہتے

ہو۔ تو یوں کرو۔ کہ خدا نے یہ دو آنکھیں تمہیں نعمت دی ہیں۔ لہٰذا خدا کی دی ہوئی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی ان آنکھوں کو اللہ کی مرضی کے مطابق عمل میں لاؤ۔ یہ گویا اللہ کی نعمت کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اسی طرح پیروں سے چلو مگر ادھر چلو جدھر اللہ چلانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ہاتھوں سے ضرور کام لو۔ انہیں معطل نہ کرو کیونکہ یہ خدا کی نعمت ہے۔ لہٰذا اسے "باندھے رکھنا" گویا کفران نعمت ہے۔ اب ان ہاتھوں سے کام لو۔ مگر یہ خیال رکھنا کہ جو کام بھی لو اسے پہلے دیکھ لو کہ کیا اسے اللہ بھی پسند کرتا ہے یا نہیں! اسی طرح اللہ نے انسان کو زبان جیسی شے عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا اس نعمت کا شکر ادا کرنے کے لئے ایسے کلمات نکالو جن سے اللہ راضی ہو جائے۔ یہی حالت دانتوں کی بھی ہے کہ حلال کھاؤ اور حرام سے بچو۔

حضور والا! قرآن مجید کی یہ آیت ہے کہ شکر کرو گے تو نعمت میں اضافہ ہوگا: کس پر نازل ہوئی ہے؟ رسول پر

اب بتاؤ! اس آیت کی تعمیل رسول نے بھی کی یا نہیں؟ یقیناً رسول نے بھی شکر ادا کیا ہوگا۔ اور اللہ نے اپنے وعدے کے مطابق اضافہ بھی کیا ہوگا۔ چنانچہ رسول نے چاروں طرف نظر ڈالی اور دیکھا جتنی نعمتیں تھیں وہ مجھے پہلے ہی مل گئی ہیں اور ان میں اب اضافے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ لہٰذا رسول سوچتا ہے کہ اللہ کا شکر ادا کر کے کس شے میں اضافہ کراؤں۔

سب سے بھائیو! رسول کے پاس ایک ایسی نعمت تھی جس کا شکر ادا کر کے وہ اس میں اضافہ کر سکتے تھے اور وہ تھی "عصمت" چنانچہ رسول نے اس نعمت کا شکریہ ادا کیا مگر زبان سے نہیں بلکہ اپنے عمل سے۔ گویا رسول نے عصمت کو اس شان سے برتا کہ ابھی اعلان رسالت بھی نہیں ہوا۔ مگر دشمن بھی مان گئے کہ تو صادق بھی ہے

اور امین بھی ہے کیوں کہ قول میں عصمت ہو تو صادق ہے اور فعل میں عصمت ہو تو امین ہے۔ لہٰذا قول و فعل کی عصمت کو صداقت و امانت کہتے ہیں۔

سامعین!

چالیس سال مسلسل نعمتِ عصمت کا شکریہ اس انداز سے ادا کیا کہ کائنات مان گئی، دشمن مان گئے کہ تو صادق بھی ہے اور امین بھی ہے۔ گویا جس نے نعمتِ عصمت کا اتنا شکریہ ادا کیا ہو تو اللہ کو بھی حسبِ وعدہ چاہیئے کہ اس میں اضافہ کرے۔ اللہ نے کہا۔

"محمدؐ! سن۔ میں اپنے اضافے کے وعدہ کو پورا کرتا ہوں لہٰذا تجھے ایک عصمت عطا کرتا ہوں۔ جس کا نام ہے "فاطمہؑ" گویا سیدہ طاہرہ رسولؐ کو شکریہ عصمت کے اضافے میں ملی ہیں۔ لہٰذا سیدہ کی عصمت کی شان اور ہے اور محمدؐ کی عصمت کی شان اور ہے۔

صاحبان! اب آپ کہیں گے کہ عورتوں میں مریمؑ بھی معصوم ہیں۔ میں کہتا ہوں۔" مریمؑ معصوم ضرور ہے۔ مگر مریمؑ کی عصمت کسی شکریہ میں نہیں ملی تھی۔ وہ تو عطیہؑ الٰہی تھا اور اس میں عصمت کی اتنی ہی مقدار تھی کہ ایک پشت چل کر عیسٰےؑ تک ختم ہو گئی۔ مگر محمدؐ کے شکریۂ عصمت میں ملی ہوئی عصمت بارہ پشت چل کر آج تک باقی ہے۔ اور قیامت تک باقی رہے گی۔ کیا مجال جو کہیں ختم ہو جائے اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ شرف اللہ نے اس شکریہ عصمت کو عطا کیا تھا کہ اس کی قیامت تک پیدا ہونے والی نسل معصوم تو نہیں ہوگی۔ مگر بے حکومت کے "شاہ" کہلائے گی۔ بغیر سرداری کے سید کہلائے گی۔ دنیا ان کے پیروں کو چھونا باعث فخر سمجھے گی۔ اور اگر پیسے پاس ہوں گے تو امیر کہلائیں گے اور اگر کچھ نہیں

ہوگا تو فقیر کہلائیں گے اور اگر مرجائیں گے تو پیر کہلائیں گے یہ گویا شرف ملا ہے شکریہ عص
کو جو عصمت کے شکریہ کے طور پہ ملا ہے۔

سامعین!

اب رسولؐ چاہتا ہے کہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کردوں تاکہ اللہ اور اضافہ
کرے۔ چنانچہ رسولؐ نے سیدہ کی عصمت کا یوں شکریہ ادا کیا کہ ایک دن رسولؐ مسجد نبوی
میں منبر پہ تشریف فرمائے خطبہ فرما رہے ہیں کہ دیکھا کہ بیٹی چلی آرہی ہے سیدہ کو دیکھ
کر رسولؐ تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے گویا رسولؐ کا اٹھنا ہی اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا تھا
اور قدرت نے رسولؐ کی اس ادا کو دیکھ کر فرمایا۔

محمدؐ! تم نے نعمتِ عصمت کا شکریہ ادا کیا ہے لہٰذا ہم اس نعمت میں اور
اضافہ کرتے ہیں:

چنانچہ اللہ نے ایک نعمت حسنؑ کی شکل میں دے دی۔ گویا فاطمہؑ والے شکریہ میں
اضافہ ہو کر حسنؑ والی نعمت ملی۔ اب رسولؐ نے اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کردیا۔
اور وہ اس طرح کہ ایک روز رسولؐ عید کی نماز پڑھنے جا رہے تھے اور حسنؑ کو
کاندھے پہ بٹھا رکھا تھا اور اپنی زلفیں حسنؑ کے ہاتھوں میں پکڑا رکھی تھیں اور کہہ رہے
تھے۔ خداوندا۔ دیکھ لے تیری نعمت حسنؑ کا شکریہ ادا کر رہا ہوں:

گویا شکریۂ نعمتِ حسنؑ جو رسولؐ مجمع عام میں ادا کر رہے تھے۔ اس کو جب اللہ نے
دیکھا تو قدرت کو محمدؐ کی یہ ادا پسند آگئی

محمدؐ! تو نے حسنؑ کی نعمت کا خوب شکریہ ادا کیا ہے۔ لہٰذا آج ہم
اس میں اضافہ کر کے تمہیں حسینؑ دیتے ہیں

صاحبانِ ذوق!

رسولؐ نے فاطمہؑ کی نعمت کا شکریہ محض تعظیم کر کے اللہ سے حاصل کیا اور

درحسنؑ کی نعمت کا شکریہ یہ تھا کہ نماز کو جاتے وقت کندھے پہ بٹھالیا۔ مگر جب "حسینؑ"
کی نعمت ملی تو شکریہ کا انداز ہی کچھ اور تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ
رسولؐ نماز پڑھ رہے ہیں، سجدہ میں سر ہے اور پشت پہ حسینؑ کو بٹھا
لیا۔ چونکہ اس شکریہ میں عبادت اور سجدہ دونوں شامل ہیں لہٰذا اب
جو اضافہ ہوگا اس میں سجدہ بھی ہوگا اور عبادت بھی ہوگی۔ گویا
حسینؑ نعمت کے شکریہ میں جو ملا وہ "سید الساجدین" بھی تھا
اور "زین العابدینؑ" بھی تھا۔

بزرگانِ من!

رسولؐ کو جب سید الساجدینؑ اور زین العابدینؑ والی دونوں نعمتیں مل گئیں۔
اور رسولؐ نے اس نعمت کا بھی شکریہ ادا کر دیا۔
اللہ نے کہا "محمدؐ! سنتے بھی ہو۔ اگر چاہو تو اس شکریہ کے عوض ہم تمہیں
محمدؐ نادے دیں"
چنانچہ محمدؐ کے شکریہ میں محمدؐ مل گیا جس کو ہم محمد باقرؑ کہتے ہیں۔ اس کے بعد
رسولؐ نے پھر کہدیا
"یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے باقرؑ جیسا فرزند عطا فرمایا ہے"
اللہ نے کہا:
"محمدؐ! ہم جانتے ہیں۔ تم نے یہ شکریہ لسانِ صدق سے ادا کیا ہے لہٰذا
ہم تمہیں "صادقؑ" دیتے ہیں۔
چنانچہ اللہ نے حضور جعفر صادقؑ دے دیا۔ اس طرح رسولؐ کا شکریہ چلتا
جارہا تھا۔ اور اللہ کا اضافہ بھی چلتا جارہا تھا۔ آخر چلتے چلتے رسولؐ جب
گیارہویں پہ پہنچے تو اللہ نے اپنے خزانے کا جائزہ لیا۔ دیکھا اور فرمایا:

"محمدؐ! سنتے بھی ۔ گیارہویں تک تو ہم دیتے رہے مگر آج سے بالقطع سودا کرلو"

محمدؐ نے پوچھا ۔ "خداوندا ۔ وہ کیسے ؟"

اعلیٰ حضرت نے فرمایا:۔

"محمدؐ! آج سے یہ فیصلہ ہو جائے کہ ہمارا "عطیہ" "قائم" ہو اور تمہارا شکریہ "دائم" ہوگا ۔

سامعین!

ایک شخص حضور امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی
"فرزند رسولؐ! ..... وہ امام جو آخری امام ہوگا اور جو "دائم و قائم" ہوگا ۔ ذرا اس کی صفت تو بیان فرمایئے: چنانچہ حضور امام علی نقی علیہ السلام فرماتے ہیں ۔

"اپنے امام کی شان کیا پوچھتے ہو "صاحب الدعوۃ النبویۃ وصولت الحیدریہ" تمہارا امام اسی طرح دین کی دعوت دیتا ہے جس طرح اس کا جد رسولؐ دعوت دیتا تھا "وصولت الحیدریہ" اس کا اقبال حیدر کرار جیسا ہے "عصمت الفاطمیہ" اس کی عصمت فاطمہؑ جیسی ہے "والحلم الحسنیۃ" حسنؑ جیسا اس کا علم ہے "والشجاعت الحسینیہ" اور حسینؑ جیسی اس کی شجاعت ہے ۔

بہر نوع صفت بیان کرتے کرتے جب گیارہویں تک پہنچے تو کہا ۔
"والھیبۃ العسکریہ" اور حسن عسکری جیسی اسکی ہیبت ہے تو یہاں آکے آپ رک گئے اور فرمایا:۔

سنو! تم اس کی غیبت پوچھتے ہو؟.... والغیبۃ اللّٰہ جیسی اُس کی غیبت ہے۔

اب بتاؤ! اللّٰہ کسی جزیرے یا غار میں غائب ہے یا کسی مکان میں غائب ہے؟۔ ہرگز نہیں۔

اللّٰہ تو ہر جگہ ہے اور غائب ہے۔ اسی طرح ہمارا امامؑ خدا کے فضل سے ہر جگہ ہے اور غائب ہے۔ لہٰذا ہم یہ مجالس صرف اپنے امامؑ کو پُرسہ دینے کی غرض سے کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ہر جگہ موجود ہے اور ہم ان کے ادنیٰ رعایہ اُن کے سامنے اُن کے بزرگوں کے فضائل بیان کرتے ہیں۔

سامعین!

خدا گواہ ہے۔ ہماری ان مجالس کے اصل سامع آلِ محمدؐ ہیں۔ جن کے تصور کی وجہ سے میں نے عمر بھر کبھی بیٹھ کے نہیں پڑھا۔ میرا ایمان ہے کہ میرا مولاؑ موجود ہے اس لئے کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں یا اور بات ہے کہ حادثہ کی وجہ سے پہلے دونوں پاؤں پہ کھڑا ہو کے پڑھتا تھا۔ اب ایک پاؤں پہ کھڑے ہو کر پڑھتا ہوں۔

بہر نوع تصورِ آلِ محمدؐ اپنی مجلسوں میں ملحوظ خاطر رکھتا ہوں۔

بزرگانِ من!

ایک دن کربلا معلیٰ میں ایک عالم بیان فرما رہے تھے کہ جب تم مجلس منعقد کرتے ہو تو اس میں امام العصرؑ والزماں تشریف لاتے ہیں لہٰذا ہمارے خطیبوں واعظوں اور ذاکروں کو چاہیئے کہ وہ بڑی احتیاط کے ساتھ اصل واقعات بیان فرمائیں۔ اور جب تم امامؑ کے سامنے مصائب پڑھو تو بیشک حسینؑ کی شہادت پڑھ دینا علی اکبرؑ کی شہادت پڑھ دینا۔ علی اصغرؑ کی شہادت پڑھ دینا۔ عباسؑ کی شہادت پڑھ دینا۔ عونؑ و محمدؑ کی شہادتیں پڑھ دینا یا میر قاسمؑ کی شہادت پڑھ دینا

مگر ایک بات کی احتیاط کرنا کیونکہ امامؑ موجود ہوتا ہے لہٰذا ان کی موجودگی میں انکی دادی زینبؑ کی قید نہ پڑھنا۔ کیونکہ بی بی کی قید سُننا امامؑ کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو آپ کو بے ہوش کر دیتی ہے۔ پھر فرشتے آکر پَر ملتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بڑی احتیاط سے زینبؑ کی قید کا تذکرہ بیان کرنا چاہئے

سامعین!

میں خود قید ہوا تھا۔ ۲۹۔ جنوری ۱۹۶۴ء دو بجے رات کا وقت تھا اور تقریباً پانچ سَو پولیس کے آدمی مجھے گرفتار کرنے آ گئے۔ ہمارے محلے کا محاصرہ تھا۔ چھتوں پہ پولیس تھی اور سارا محلہ سہما ہوا تھا کہ اللہ جانے کیا بات ہے بہر نوع مجھے گرفتار کر کے جب ایک کار میں بٹھا دیا گیا تو کسی کی آواز آئی۔ ! "ایس پی صاحب! ہتھکڑی لگا دوں؟"

ایس پی نے کہا:

"خبردار! کیوں شریف آدمی کو پریشان کر رہے ہو۔"

بس بھائیو!

ایس پی کا یہ کہنا تھا کہ میں نے کہہ دیا۔

"ایس پی صاحب! کاش تم کربلا میں موجود ہوتے اور بجائے یہاں کے وہاں کہہ دیتے کہ "کیوں شریف آدمیوں کو پریشان کر رہے ہو"

حضرات!

آج سے ایک عرصہ پہلے میرا اپنا خیال تھا کہ مخدرات عصمت و طہارت کے ہاتھ باندھنے والی روایت ہم لوگوں نے صرف رونے کے لئے بنالی ہے۔ مگر جب میں نے امامؑ زمان کی زیارت ناحیہ پڑھی تو اس میں ہاتھ باندھنے کا ذکر تھا۔ چنانچہ میں نے کہا "ٹھیک ہے ضرور بندھے ہوں گے" پھر

تشویش ہوئی کہ کس طرح بندھے تھے؟ اس کے متعلق بھی امام زمانؑ زیارت

ناحیہ میں فرماتے ہیں:۔

"میرا سلام ہو میری دادی زینبؑ پر جس کے دونوں ہاتھ اُس کی

گردن کے ساتھ بندھے ہوئے تھے"۔

بزرگانِ من!

دُنیا میں کوئی ایسی مصیبت نہیں ہے جو زینبؑ پہ نہ گذری ہو۔ اسی لئے

زینبؑ کو اُم المصائب بھی کہا جاتا ہے۔

امام موسٰی کاظم علیہ السلام کا فرمان ہے کہ میری دادی پر وہ مصائب گذر گئے

کہ جنہیں نہ کوئی سوچ سکتا ہے اور نہ ہی سمجھ سکتا ہے"

سامعین!

زمانے کا انقلاب دیکھو کہ حیدرِ کرار کی بیٹی یزید کے دربار میں کھڑی ہے۔

اور یزید اپنے نشۂ فتح میں اتنا مشغول ہے کہ قیدیوں سے بات نہیں کرتا۔ اِدھر

کھڑے ہوئے قیدیوں میں معصوم بچوں کے پاؤں میں ورم آ گئے تھے اور زمانے

کا امامؑ بالکل خاموش کھڑا ہے۔ سیدانیوں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور علیؑ کی

بہو بیٹی، والدہ علیؑ اصغر اور رواں شہزادہ قاسمؑ سر جھکائے خاموش کھڑی ہیں

تھوڑی دیر بعد زینبؑ نے امام زین العابدینؑ سے کہا۔

"بیٹا! میری بھاوجیں کھڑی ہوئی ہیں اور ان کے میکے کے لوگ

کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ وہ کیا کہتے ہوں گے کہ ہماری لڑکیاں کس خاندان سے بیاہی

گئیں ہیں۔ بیٹا! مجھے شرم کھا رہی ہے۔

اس کے بعد زینبؑ کا وہ تاریخی فقرہ آج بھی فضا میں گونج رہا ہے

کہ جب سیدانیوں کو دربارِ یزید میں کافی دیر کھڑے رہنا پڑا تو زینبؑ کے

منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَکْرَمَنَا۔

"خدایا! ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں
جس نے ہمیں یہ عزت عطا کی"

سامعین!

کوئی اور ہوتا تو کہتا:۔

"واہ اللہ! ہم کس طرح تیرا شکر ادا کریں۔ کیونکہ تیرے نام پر ہم مر گئے، اور تو نے ہماری خبر بھی نہ لی۔ ہمارے بچوں کو ذبح ہوتے دیکھتا رہا مگر کچھ مدد نہ کی"۔

مگر

وہاں زینبؑ نے اللہ کا شکر ادا کر کے دُنیا کو یہ منوا دیا کہ:۔

"خُدا ہے"

اور یہ خدا کا بڑا احسان ہے کہ آج دُنیا خدا کو مان رہی ہے۔ اب اگر خدا کا یہ وعدہ ہے کہ:

"اگر تم شکر ادا کرو گے تو اضافہ کروں گا"

تو بتاؤ!

زینبؑ کے اس شکریہ پر
قدرت کیا اضافہ
فرماتی ہے۔؟

قانونِ عدل نمبر ۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خداوند عز اسمہٗ و جل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود و سلام

حضرات گرامی قدر!

اللہ تعالیٰ کا منشا یہی ہے۔ اللہ کی مشیت یہی ہے اور اللہ چاہتا یہی ہے کہ انسان ہر حالت میں قانونِ عدل پر قائم رہے اور عدل سے منحرف نہ ہونے پائے دوسرے لفظوں میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انسان کو وہی کرنا چاہیئے۔ جو کہنا چاہیئے گویا کوئی بات اللہ کی "چاہیئے" کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ یہی اللہ کا منشاء ہے اور یہی اس کی مرضی ہے۔ اگر انسان قانونِ عدل پر قائم نہ رہے تو اللہ کا کچھ بگڑتا نہیں۔ اور اگر دنیا کے تمام انسان قانونِ عدل پر قائم ہو جائیں تو اللہ کو کچھ ملتا نہیں۔ اللہ بہر نوع اللہ ہے۔ چاہے ساری دُنیا اللہ اللہ کرے۔ تب اللہ ہے اور اگر ساری دُنیا اللہ سے منکر ہو جائے۔ اللہ پھر بھی اللہ ہے۔

سامعین!

ابھی تک تو کوئی انسان دنیا میں ایسا پیدا ہوا ہی نہیں جو اللہ کے وجود کا منکر ہو۔ یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ "ہم اللہ کو نہیں مانتے" اُن کا یہ کہنا "ہم اللہ کو نہیں مانتے" سے مراد یہ ہے کہ کوئی اللہ ہے جس کے وجود سے وہ منکر ہیں۔ ورنہ اگر اللہ نہ ہوتا تو "نہ ماننا" کبھی سامنے نہ آتا۔ بہر کیف کوئی انسان اللہ کے وجود سے منکر نہیں ہے۔ بلکہ ہر انسان کسی نہ کسی طرح سے اللہ کے وجود کا اقرار کرتا ہے اور اگر کوئی نہ مانے تو اس سے اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا بلکہ وہ

تو یہ کہتا ہے کہ :-

• انسانو ! قانونِ عدل پر قائم رہو "

بزرگانِ من !

سب سے پہلی عدالت ، اللہ ہم سے یہ چاہتا ہے کہ :-

" انسانو ! میں نے تمہیں انسان پیدا کیا ہے ۔ لہٰذا پہلا عدل یہ ہے کہ تم انسان بن کے رہو "

حضرات ! اگر اللہ ہمیں انسان کی بجائے کچھ اور بنا دیتا تو ہماری کوئی زبردستی تھی ؟ ۔ یہ تو اللہ کا ہم پر بڑا فضل و کرم ہے کہ اس نے ہمیں انسان پیدا کیا ہے'

بچو ! اب تم پوچھو گے کہ انسان کچھ اور کیا بن سکتا ہے ؟

میں کہتا ہوں ۔۔ زیادہ دُور جانے کی ضرورت نہیں ہے ۔ دیکھو نا ! انسان کے دائیں طرف ایک فرشتہ ہے اور بائیں طرف ایک حیوان ۔ اب اگر انسان چاہے تو حیوان بن جائے اور چاہے تو فرشتہ بن جائے ۔

گویا فرشتہ بننا بھی کوئی مشکل نہیں اور حیوان بننا بھی کوئی مشکل نہیں ۔ بلکہ انسان کا انسان بننا بڑا مشکل کام ہے ۔

سامعین !

حیوان بننے میں کیا مشکل ہے ۔ طریقہ میں بتائے دیتا ہوں ۔

دیکھو نا !

انسان کو بھی بھوک لگتی ہے اور حیوان کو بھی بھوک لگتی ہے ۔ انسان کو بھی خوراک چاہیئے اور حیوان کو بھی خوراک چاہیئے ۔ لہٰذا دونوں اپنی بھوک میں خوراک مانگتے ہیں ۔ مگر فرق یہ ہے کہ حیوان کو جب بھوک لگتی ہے ۔ رَسّہ توڑ دیا اور گھر سے چلا ۔ رستے میں جو شے کھانے کی نظر آئی ۔ کھالی مگر یہ نہ دیکھا کہ اپنی ہے یا پرائی ہے ۔

اس کا کھانا مناسب ہے یا نامناسب ہے۔ اس کا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟

بہر نوع اپنا پیٹ بھر لیا۔

گویا جو پیٹ بھرنے میں، جائز و ناجائز کی پرواہ نہ کرے۔ اُسے "حیوان" کہتے ہیں اور جو یہ سوچ لے کہ یہ مناسب ہے یا نہیں؟ جائز ہے یا نہیں؟ اسے کھانا چاہیئے یا نہیں؟ اگر پرائی ہے تو بھوکا رہنا بہتر ہے۔ ایسے جائز و ناجائز کی سمجھ رکھنے والے کو "انسان" کہتے ہیں۔

اَب بتاؤ! حیوان بننا آسان ہے یا انسان بننا مشکل ہے؟

بہر نوع آپ اگر حیوان بننا چاہیں تو بن سکتے ہیں اور اگر فرشتہ بننا چاہیں تو اس کے لئے بھی کوئی دشواری نہیں ہے۔

دیکھو نا! ۔ اگر آپ چاہیں تو ابھی فرشتہ بن سکتے ہیں کیونکہ فرشتے وہ ہیں جو نہ کماتے ہیں اور نہ ہی محنت کرتے ہیں۔ جو نہ مزدوری کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی پرواہ کرتے ہیں۔ لہٰذا آپ بھی یہی کام شروع کر دیں کہ ایک لمبا سا کرتا پہنیں۔ لوہے کا ایک چمٹا ہاتھ میں لے لیں، سال بھر حجامت نہ بنوائیں۔ تین سال غسل نہ فرمائیں، ناخن بڑے ہو جائیں۔ بال لمبے ہو جائیں۔ کرتا میلا ہو جائے۔ رات کو سونے کی جگہ نہ ہو۔ کمانا بالکل چھوڑ دیں۔ کھانے کی فکر رہے۔ لہٰذا سب دیکھنے والے یہی کہیں گے "بندہ کیا ہے، فرشتہ ہے"

میں پوچھتا ہوں "بھئی! تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ پاگل فرشتہ بن گیا؟"

"زیدی صاحب! تمہیں کیا معلوم ہے، تم بھی فرشتہ بنو تو پتہ چلے"

اِدھر زیدی صاحب نہ کبھی فرشتہ بنیں گے اور نہ ہی پتہ چلے گا۔ اُدھر فرشتہ صاحب ہیں کہ سارا دن سڑکوں پہ مارے مارے پھرتے ہیں اور رات کو کسی دکان کے تھڑے پر بیٹھ گئے۔ سردی کا موسم۔ رات بھر محلے والوں کو جگایا اور جب کسی نے پوچھا

کہ کیا بدتمیزی ہے تو لوگوں نے کہا ،عبادت کر رہا ہے " بہر نوع اسے فرشتہ کہتے ہیں ۔ اب اگر تم میں سے کوئی بننا چاہے تو بے شک بن جائیے ۔

بچو!

مجھے بھی لوگ اکثر یہی کہہ دیتے ہیں " زیدی صاحب ! سبحان اللہ۔ آپ تو فرشتہ ہیں "۔ اِدھر زیدی صاحب بھی اکڑ جاتے ہیں کہ میں فرشتہ بن گیا ہوں حالانکہ لوگوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ زیدی صاحب فرشتہ تو ہیں مگر ان میں انسانیت نہیں ہے ۔ یاد رکھو ! حیوان بننا بھی بڑا آسان ہے اور فرشتہ بننا بھی بڑا آسان ہے مگر یہ دونوں باتیں انسان کو قانونِ عدل سے ہٹا دیتی ہیں۔ لہٰذا قانونِ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ تم انسان ہو اس لئے انسان بن کے رہو۔ کیا مجال جو تمہاری انسانیت میں فرق آ جائے ۔ تمہارا ہر قول و فعل قانونِ عدل پہ قائم رہنا چاہیئے ۔ برادری کے معاملات میں بھی اور اللہ کے معاملات میں بھی تم قانونِ عدل پہ قائم رہو۔ جس طرح اللہ کہتا ہے " نماز پڑھو "۔ لہٰذا تم بھی نماز پڑھو۔ اللہ کہتا ہے " روزہ رکھو " لہٰذا تم بھی روزہ رکھو۔ اللہ کہتا ہے " کسی کا مال نہ کھاؤ " لہٰذا تم بھی غاصب نہ بنو۔ اللہ کہتا ہے ۔ " کسی پریشان نہ کرو کیونکہ یہ معاشرتی عدل ہے ۔ لہٰذا تم اس پر بھی قائم رہو۔ گویا یہی قانونِ عدل ہے کہ انسان انسان بن کے رہے ۔ چاہے وہ ذاتی معاملہ ہو۔ یا معاشرتی معاملہ ہو۔ چاہے بندوں کا معاملہ ہو یا اللہ تک پہنچنے کا معاملہ ہو۔ بہر نوع تمہیں ہر حالت میں قانونِ عدل پر قائم رہنا چاہیئے ۔

سامعین!

اللہ کے معاملہ میں انسان بڑا ظالم واقع ہوا ہے ۔ کیونکہ اگر انسان ۔ انسانوں پہ ظلم کرے تو یہ ڈر رہتا ہے کہ انسان جواب دے گا ۔ مگر اللہ کے بارے میں انسان جانتا ہے کہ یہ رحیم و کریم ہے لہٰذا معاف کر دے گا ۔ بہرکیف اللہ کے معاملہ میں انسان بہت

ظالم واقع ہوا ہے۔ انسان کو جہاں بھی موقع ملتا رہا، ظلم کرتا رہا، کہیں کہدیا اللہ دو ہیں، کہیں کہدیا ”تین ہیں“ بہر نوع اللہ کے معاملے میں انسان بڑا ظالم واقع ہوا ہے۔

بچو!

اگر میری بات پہ یقین نہ آئے تو ہمسایہ ملک (ہندوستان) میں جاکے دیکھ لو۔ وہاں تقریباً ساٹھ کروڑ پوجنے والے ہیں اور وہ ارب اللہ ہیں۔ گویا ایک ایک بندے کے حصے میں تین تین ”اللہ“ آتے ہیں مثلاً ”پیپل“ ”اللہ“ ہے۔ ”گائے“ اللہ ہے۔ ”گنگا“ اللہ ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بچو! تم تو ابھی بچے ہو۔ اُن بزرگوں سے پوچھو جو ہندوستان سے آئے ہیں۔ وہ بتائیں گے کہ ساٹھ کروڑ عوام گنگا کو ”گنگا ماتا“ کہتا ہے۔ ادھر گنگا ہے کہ پھولی نہیں سماتی“ کیونکہ لاکھوں، کروڑوں انسان جو ”ماں“ کہہ رہا ہے۔

یاد رکھو! ایسی مائیں بہت اکڑتی ہیں جو سچ مچ ”مائیں“ نہ ہوں۔ بہر نوع دنیا نے گنگا کو جب ”ماں“ کہہ دیا تو گنگا کے ہواس اُڑ گئے۔ آپے میں نہ رہی۔ ادھر گنگا ہے کہ پھولی نہیں سماتی کہ بغیر بچہ جنے ”ماں“ بن بیٹھی ہوں اس سے بہتر اور کیا چاہئے۔ لہٰذا سال دو سال تو خیریت سے اپنے ہی کناروں کے اندر موج میں بہتی رہی اور جب تیسرے سال غصہ جو آیا تو کناروں سے باہر نکل پڑی اور سیلاب آگیا۔ اب بچے لاکھ کہہ رہے ہیں۔

”اماں! دیکھو، ہم تیرے ہی بچے ہیں۔ ہمیں کیوں ڈبو رہی ہو؟“ مگر اماں ہے کہ کسی کی سنتی ہی نہیں۔ اور اِدھر بچے ہیں کہ کان پکڑ رہے ہیں ”اماں! غصہ جانے بھی دو۔ ہم بے چاروں پہ

رحم کرو ! مگر اماں کسی کی سنتی ہی نہیں کیونکہ کناروں کے اندر رہے
تو رحم کرے۔

بزرگو !

انگریز قوم بڑی ہوشیار تھی۔ انہوں نے سوچا کہ اماں، بن کے بے کار
بیٹھی ہے اور یہ بے کاری کا مشغلہ ہے کہ چلو اور نہیں تو کناروں سے ہی باہر نکل پڑو
لہٰذا اماں کو مصروف رکھنے کے لئے انہوں نے جگہ جگہ سے نہریں نکال دیں اور
چکیاں لگادیں۔ اب جو اماں کو چکی پیسنا پڑی۔ تو بگڑا ہوا دماغ ٹھیک ہو گیا۔
بہر نوع انسان نے ہزاروں اللہ بنا کے بٹھا دیئے۔ اب اگر میں آج تمام
اللہ ؤں کی فہرست بیان کرنا شروع کر دوں تو پورا عشرہ گذر جائے گا۔ مگر اللہ
ختم نہیں ہوں گے۔

سامعین !

ہم نے جادۂ عقل و علم کے مطابق فیصلہ کیا کہ بالکل غلط، ہزاروں دروازوں
کو کھٹکھٹانے سے تو بہتر ہے کہ ایک ہی باب کریم پہ بیٹھ جائیں۔ یہی عین شرافت
ہے اور یہی تقاضائے انسانیت ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے کلمہ میں پہلی چیز ہی
یہی ہے کہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " " اللہ اکیلا ہے "
دیکھنے میں تو یہ دو لفظ ہیں " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ "
مگر اتنے قیمتی ہیں کہ بڑے سے بڑا دشمن بھی ان میں " نکتہ " نہیں لگا سکتا
اور پھر ان میں جو لطافتیں اور وسعتیں ہیں اُن کا کوئی شمار ہی نہیں کر سکتا۔
کلمہ میں طاقتیں اتنی ہیں کہ ابھی جہنمی تھا۔ پڑھ لیا تو جنتی ہو گیا۔ نجس تھا۔ پاک ہو
گیا۔ غیر تھا۔ اپنا ہو گیا۔ دُور تھا۔ قریب ہو گیا۔ گویا یہ کلمہ اتنی طاقتور شئے ہے۔

بزرگو ! تمہاری عمر گذر گئی یہ سنتے سنتے کہ دُنیا میں اگر کوئی طاقتور شئے ہے

تو وہ "ذوالفقارِ حیدر کرار" ہے۔ اور جب تلوار اتنی طاقتور ہے تو پھر تلوار والے کی طاقت کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ گویا علیؑ تو ہے ہی مرکزِ طاقت علیؑ کے کام میں طاقت ہے۔ علیؑ کے نام میں طاقت ہے۔ انسان ذرا سا گھبرا جائے اور علیؑ کا نام لے لے تو بدن میں طاقت آ جائے گی۔ گویا علی بہترین نسخہ ہے علیؑ بہترین کیمیا ہے۔ علی بہترین اکسیر ہے۔ بہرنوع علیؑ کے نام میں بڑی قوت ہے۔

دیکھو نا!

جب مغربی پاکستان میں ۱۹۶۵ء میں جنگ ہوئی تھی، ان دنوں میں لاہور میں تھا۔ اور لاہور مرکزِ جنگ تھا۔ ایک رات ۱۲ بجے کے قریب تمام شہر اور محلہ بھر سے دکانوں اور مکانوں کی چھتوں سے "یا علیؑ۔ یا علیؑ" کی آوازیں آنے لگیں۔ میں حیران و پریشان تھا کہ آخر بات کیا ہے۔ آج "یا علیؑ: یا علیؑ" کیوں ہو رہا ہے؟۔ چنانچہ گھر سے نکلا اور دیکھا کہ بڑے بڑے بزرگانِ دین جو دن کی روشنی میں "یا علیؑ" کہنے کو بدعت کہہ رہے تھے۔ آج پوری آواز سے "یا علیؑ" کہہ رہے ہیں۔ میں حیران و پریشان کہ آج یا علیؑ کا دَور دَورہ کیوں ہو گیا۔ آخر کار یہی سوچتا ہوا گھر آیا اور سو گیا۔ مگر نیند کس کو آئے ادھر بلیک آؤٹ اور ہوائی جہاز بم برسا رہے ہیں اور ادھر "یا علیؑ: یا علیؑ" کہنے والوں نے پریشان کر رکھا ہے۔ بالآخر سوچا کہ دن چڑھے پوچھوں گا کہ کیا بات ہے۔

بچو!

میں نے ایک طوطا پال رکھا تھا جسے چھ مہینے سے محنت کر کے یہ سکھایا تھا "نبیؐ جی چوری بھیجو"۔ بس اور کچھ نہیں جانتا تھا سوائے اس کے کہ:۔
"نبیؐ جی چوری بھیجو"۔ ادھر میں رات کو اسی سوچ میں لیٹا ہوا تھا کہ خدا ندا!

آج "یا علیؑ" - یا علیؑ - کیوں ہو رہا ہے کہ اسی اثنا میں طوطے نے بھی بولنا شروع کر دیا۔ مگر - "نبیؐ جی چوری بھیجو نہیں۔ بلکہ "ٹیں" "ٹیں" کہنا شروع کر دیا۔ وہی اپنی اصلی بولی بولنا شروع کر دی۔ میں نے بستر پہ لیٹے ہوئے پوچھا:۔

، طوطے میاں! آج سکھائی ہوئی بات بھول گیا اور اصلی بات کہنا شروع کر دی۔ آخر کیوں؟

یہ کہہ کر جو میں نے دیکھا کہ بلی نے طوطے کے پنجرے پہ حملہ کیا ہوا ہے۔ اب پتہ چلا کہ امن وامان ہو تو سکھائی ہوئی باتیں کہی جاتی ہیں اور حملہ ہو جائے تو اصلی بات خود بخود منہ سے نکل جاتی ہے۔

بہر نوع "یا علیؑ" کہنے میں بڑی طاقت ہے۔ علیؑ بڑی طاقت والی شے ہے، علیؑ بڑی قوت والی شے ہے۔ علیؑ کے نام میں طاقت ہے۔ علیؑ کے کام میں طاقت ہے اور پھر علیؑ کی تلوار تو ہے ہی مرکزِ طاقت۔

کیوں سامعینؑ!

اگر علیؑ کی تلوار پوری طاقت سے چل پڑے تو بتاؤ! خیبر کے در سے رکتی ہے؟۔ مرحب کے سر سے رکتی ہے؟۔ خیر و مرحب کو چھوڑو بلکہ یہ بتاؤ! جبرئیل کے پر سے رکتی ہے؟ "**نہیں**" گویا علیؑ کی تلوار اتنی طاقت ور شے ہے۔

اب بتاؤ۔ جس تلوار کی طاقت کو کوئی شے نہیں روک سکتی تھی اس کی طاقت کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ روک دیتا تھا یا نہیں؟۔ ادھر سے علیؑ کی تلوار چلی ادھر سے منہ سے کلمہ نکلا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ "تلوار فوراً رک جاتی تھی۔ گویا علیؑ کی تلوار کو جو شے روک لے وہ ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔

یاد رکھو! چاہے بے دلی سے ہو۔ چاہے صرف زبان سے ہو۔ اگر سامعینؑ

والے نے کہدیا۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، تو علیؑ کی تلوار رُک جاتی تھی۔

بہر نوع علیؑ کی تلوار اتنی طاقت ور ہونے کے باوجود کلمہ کے سامنے رُک جاتی تھی: لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ " ہمارا کلمہ ہے اور یہی قانون عدل ہے کہ۔ اَللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہے"

صاحبان!

مسلمانوں کی سب سے بڑی قسم اگر کوئی شے ہے تو وہ کلمہ طیبہ ہے۔ اگر کلمہ پڑھ کے کوئی مسلمان بات کہدے تو دوسرے مسلمانوں کو ماننا پڑتی ہے۔ گویا اتنی بڑی مقدس قسم ہے۔ "قسم جلال"

بچو! ہمارے پنجاب میں تو یہ طریقہ ہے کہ اگر کسی چور کو چوری کے جرم میں پکڑ لیا جائے اور وہ کلمہ پڑھ کے کہدے کہ میں نے چوری نہیں کی تو لوگ اُسے چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ آدمی کلمہ پڑھ کے جو کہہ رہا ہے۔ اب اگر اس کی بات نہیں مانیں گے تو ہم مسلمان نہیں رہیں گے۔ گویا کلمہ اتنی طاقتور شے ہے کہ اگر کلمہ پڑھ کے کوئی بات کہہ دی جائے تو مسلمانوں کو ماننا پڑے گی اور اگر نہیں مانو گے تو تم مسلمان نہیں رہو گے

یہی بات ہے حضور والا!

ہمارا بچہ ہو یا بوڑھا۔ جوان ہو یا بڈھا۔ جاہل ہو یا عالم۔ امیر ہو یا غریب رئیس ہو یا تاجر۔ گویا ہم میں سے ہر ایک سے گھر میں۔ بازار میں۔ مسجد میں کعبہ میں۔ جہاں چاہو کہلوا لو۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ" ہم کلمہ پڑھ کے کہتے ہیں۔ مسلمان ہو تو ماننا پڑے گا۔ مومن ہو تو یقین کرنا پڑے گا کہ "علیٌّ وَلِیُّ اللّٰہ"

سامعین!

ہم پر تو خواہ مخواہ الزام لگایا جا رہا ہے کہ ہم نے "علی ولی اللّٰہ" کو جزو کلمہ

مانیا ہے حالانکہ ہم تو کلمہ پڑھ کے اعلان کرتے ہیں۔ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ "
مسلمان ہو تو ماننا پڑے گا مومن ہو تو یقین کرنا پڑے گا کہ " علی ولی اللّٰہ "۔ اب اگر
نہیں مانوگے تو تمہارا اسلام خطرہ میں پڑ جائے گا۔ کیونکہ کلمہ سے بہتر اور کوئی
سعادت ہو سکتی ہی نہیں۔ اس سے زیادہ اعلان کی کوئی اور شان ہو سکتی ہی نہیں
ب تم اس جھگڑے میں مت پڑو۔ کہ " علی ولی اللّٰہ " جزو کلمہ ہے یا نہیں ؟
میں کہتا ہوں کہ جزو کلمہ تو کیا شے ہے بلکہ علی ولی اللّٰہ تو روح کلمہ ہے۔
ب اگر چاہو تو روح کو کلمہ سے نکال دو۔

مگر یاد رکھو ! تمہیں اس بات کا اختیار نہیں ہے۔ کیونکہ روح
کے بغیر تم بھی مسلمان نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا اپنی خیریت چاہتے ہو تو کلمہ اور روح
دونوں کو ہمیشہ یاد رکھو۔ اس لئے کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

بزرگانِ من !

قانونِ عدل پر قائم رہنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں خدا کے بارے میں قانونِ
عدل پہ قائم رہنا پڑے گا کہ وہ " وحدہٗ لاشریک " ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں
کسی کی طاقت ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہو جائے۔ کسی کی مجال ہی نہیں کہ اس کا
کوئی شریک ہو جائے۔ ایسا ہو سکتا ہی نہیں کہ اس کا کوئی شریک ہو جائے۔
اور یہ عین عدل ہے اللّٰہ کے ساتھ کہ اللّٰہ وحدہٗ لاشریک ہے۔

اور یاد رکھو ! خود اللّٰہ اس بات کا گواہ ہے کہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے
اور وہ صاحبانِ علم اللّٰہ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کے گواہ ہیں جو " قائم
بالقسط " " عدل پر قائم ہیں "

سامعین ! اللّٰہ نے یہ نہیں کہا کہ جو عدل کرتے ہیں بلکہ فرمایا
" قائم بالقسط " " جو عدل پر قائم ہیں "

اور یاد رکھو ! "عدل پر قائم" ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اُن کا کوئی
قول وفعل وعمل عدل کے خلاف ہو سکتا ہی نہیں "ہوتا نہیں" نہیں ہے بلکہ
"ہو سکتا ہی نہیں"، گویا جس کو ہم اصطلاح میں "معصوم" کہتے ہیں اسکو
قرآن "قائمُ بلقسط" کہتا ہے۔ بہر نوع ان معصومین کا کوئی قول وفعل وعمل عدل
کے خلاف ہو سکتا ہی نہیں۔

بچو ! یہ بتاؤ۔ معصومین کتنے ہیں ؟ "چودہ"

دیکھو ! ان چودہ کے علاوہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ بھی معصوم ہیں
فرق صرف یہ ہے کہ چودہ اور شان کے معصوم ہیں اور انبیاءؑ اور شان کے معصوم
ہیں یہ چودہ بھی جو کرتے ہیں ٹھیک ہوتا ہے اور یہ انبیاءؑ بھی جو کرتے ہیں ٹھیک
ہوتا ہے۔ باقی فرق یہ ہے کہ انبیاءؑ معصوم وہی کرتے ہیں جو ٹھیک ہوتا ہے گویا پہلے وہ
دیکھ لیتے ہیں کہ ٹھیک ہے۔ پھر کرتے ہیں لیکن یہ چودہ جو کر دیں ٹھیک ہوتا ہے
گویا یہ چودہ پہلے "ٹھیک" تلاش نہیں کرتے بلکہ جو کر دیں وہ ٹھیک ہوتا ہے
اُن کے منہ سے جو بات نکل جائے وہ پوری ہو جاتی ہے۔ جو ان کا عمل ہو جائے
وہ پورا ہو جاتا ہے۔ گویا "ٹھیک" ان "چودہ" کے تابع ہے اور انبیاءؑ
"ٹھیک" کے تابع ہیں۔ ان "چودہ" کو ضرورت نہیں کہ پہلے "ٹھیک" تلاش
کریں بلکہ جو کر لیا وہ "ٹھیک" ہے۔

کیونکہ

اُنہوں نے اپنی مرضی اور خواہش اس طرح خدا کے سپرد کر دی ہے
یہ وہی چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہو، یہ وہی کرتے ہیں جو خدا چاہتا ہو اور جب
ان کا قول وفعل مشیت الٰہی ہے تو پھر ان کے کسی حرکت وسکون میں غلطی ہو
ہی نہیں۔

کیوں علمائے کرام!

بتاؤ۔ آلِ محمد نے کبھی کوئی ایسا عمل کیا ہے جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔؟

ہرگز نہیں۔

مولانا! اعتقاداً نہ کہو بلکہ تاریخ کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہو۔ غیر جانب دار مبصر کی حیثیت سے کہو کہ کیا آلِ محمدؐ کے بڑے سے بڑے دشمن نے بھی یہ بتایا ہے کہ ان کا فلاں قول وفعل خدا کی مرضی کے خلاف تھا؟

ہرگز نہیں۔

نبی بھائیو!

اسی لئے ہم دعا کرتے ہیں، خداوندا۔ قیامت کے دن آلِ محمدؐ سے ہمارا واسطہ ہو جائے کیونکہ دنیا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ نے وہی کچھ کیا جو اللہ نے چاہا۔ لہٰذا قانونِ عدل کا تقاضا یہ ہے کہ جب دنیا میں محمدؐ و آلِ محمدؐ نے وہی کیا جو اللہ نے چاہا تو قیامت میں اللہ بھی وہی کرے گا جو محمدؐ و آلِ محمدؐ چاہیں گے۔ گویا جسے محمدؐ و آلِ محمدؐ چاہیں گے۔ وہ جنت میں جائیں گے اور جسے محمدؐ و آلِ محمدؐ نہیں چاہیں گے وہ جہنم میں جائیں گے۔

سامعین!

وعدہ کرو کہ قیامت کے دن مجھے پہچانو گے۔ دیکھو! ایمان کا رشتہ ایسا رشتہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے۔ اور پھر قیامت کے دن تو لطف بھی بڑا ہی آئے گا۔ تم بھی حیران ہو جاؤ گے کہ جب قیامت کے دن تمام دنیا اکٹھی ہو جائے گی۔ وہاں مسلمان بھی ہوں گے۔ یہودی بھی ہوں گے۔ ہندو بھی ہوں گے عیسائی بھی ہوں گے۔ غرض ہر فرقہ اپنی اپنی ٹولی میں خوش کھڑا ہو گا کہ اچانک ایک

آواز آئے گی۔

"مسلمانو! جاؤ، جنت میں"

ادھر مسلمان بھی جب خوشی میں جنت کی طرف بھاگنا شروع کریں گے تو سامنے جنت کا دروازہ دکھائی دے گا۔ اب جو مسلمان وہاں پہنچیں گے تو بقول شاہ ولی اللہ دہلوی کہ جنت کے صدر دروازے پر جہاں سے تمام مسلمان جنت کے اندر جائیں گے وہاں لکھا ہو گا۔

"محمدؐ۔ علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ۔ حسینؑ"

اب جو بڑے بڑے بزرگان دین اور محافظ اسلام اپنی ریش مبارک سمیٹے ہوئے ان ناموں کو دیکھیں گے تو فوراً رک جائیں گے۔

ہم پوچھیں گے "حضرات! بات کیا ہے۔ اندر کیوں نہیں جاتے؟"

وہ کہیں گے "نہیں جاتے"

"آخر کیوں؟"

اب وہ بڑے ہی غصہ میں فرمائیں گے۔ "دیکھتے نہیں ہو کہ یہ امام باڑہ ہے۔" بہرنوع ہم خوش کھڑے رہیں گے اور حضرات سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ کھڑے ہوں گے کہ یہ تو امام باڑہ ہے اور جنہیں امام باڑہ میں جانے کی عادت ہے انہیں فرشتے لاکھ روکتے رہیں گے مگر وہ یہی کہیں گے کہ: "ابھی ٹھہرو۔ ہم مجلس سن کے ابھی آتے ہیں" انشاءاللہ ہم اسی شان سے جنت میں جائیں گے۔ جس طرح امام باڑوں میں آتے ہیں۔

بہرکیف محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی قانون عدل پر قائم تھے اور تقاضائے عدل ہی یہی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں گے۔ قدرت کی طرف سے بھی یہی ہو گا۔ جو ان کی منشأ ہو مرضی ہو گی۔

محترم سامعین!

یوں تو انسان ہر حالت میں قانونِ عدل پر قائم رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر تین مواقع ایسے ہیں جہاں انسان قانونِ عدل سے ہٹ جاتا ہے اور وہ یہ ہیں محبت طیش اور عیش۔ گویا ان تین مواقع پر انسان قانون عدل سے ہٹ جاتا ہے۔ ایک تو محبت کی انتہا میں۔ ایک طیش کی انتہا میں اور ایک عیش کی انتہا میں۔ کیونکہ محبت" بھلا دیتی ہے اچھے و بُرے کو۔ "طیش" بھلا دیتا ہے نیک و بد کو اور "عیش" بھلا دیتا ہے۔ اپنے و پرائے کو۔ بہر لوح انسان وہ ہے جو محبت میں بھی۔ طیش میں بھی اور عیش میں بھی قانونِ عدل پہ قائم رہے۔ لہٰذا آج "محبت" کے بارے میں آپ سے گفتگو کروں گا۔

بزرگانِ من!

اگر تم اپنے جذبات پر قابو رکھو تو معلوم ہو گا کہ جذبۂ محبت قانونِ عدل سے ہٹاتا ہے۔ دیکھونا!

مجھے آپ سے محبت ہے۔ اب دنیا لاکھ کہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا تو یہ قانونِ عدل کے خلاف ہے۔ بھلا ایسی بات پر توجہ دی جا سکتی ہے؟۔ ہر گز نہیں۔

یاد رکھو! جہاں محبت آ جائے وہاں لفظ "اپنا" خود بخود آ جاتا ہے جس طرح اپنا گھر۔ اپنا دیس اپنا علاقہ۔ اپنا ملک۔ اپنا مذہب۔ اپنا خاندان۔ اپنا قبیلہ۔ اپنا باپ۔ اپنا بیٹا یا اپنا بھائی وغیرہ وغیرہ۔ گویا جہاں لفظ "اپنا" آ تا گیا وہاں محبت ہوتی گئی اور جہاں محبت ہوتی گئی وہاں قانونِ عدل سے انحراف ہوتا گیا۔

بچو!

تمہیں ایک بات سناؤں کہ ہمارے پنجاب میں ضلع جھنگ کے ایک

دیہات میں دو آدمی بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک کہہ رہا تھا کہ "میرے دادا جو تھے اللہ انہیں مغفرت کرے وہ بڑے ہی " چنگے " لوگ تھے مرحوم چوری کرتے تھے مگر بڑے ہی شریف تھے۔ چنانچہ ایک دن وہ حضرت چوری کرنے گئے مگر وہ گھر والے " بے ایمان " جاگ رہے تھے "

سامعین !

آپ نے ہنس دیا مگر میری زندگی کا محور یہی بات ہے کہ دادا اپنا تھا۔ اور باوجود چور ہونے کے خدا اس کی مغفرت کرے۔ مگر وہ گھر والے جو جاگ رہے تھے وہ بے ایمان بن گئے۔ یوں ہوتا ہے۔ اپنے پرائے کا فرق۔ اگر گھر والے جاگ رہے ہیں کہ ہمارے گھر چوری نہ ہو تو وہ بے ایمان بن گئے اور چور چونکہ اپنا ہے اسلئے خدا اس کی مغفرت کرے۔ بہر نوع یوں قانونِ عدل سے دنیا ہٹ جاتی ہے۔ محبت قانونِ عدل سے ہٹا دیتی ہے اور اپنائیت قانونِ عدل سے دور رکھتی ہے اب اگر آپ کو کسی سے محبت ہے تو اس میں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

دیکھو نا ! ایک دفعہ کسی مولوی صاحب نے مجنوں سے کہا۔

" مجنوں میاں ! خلافت کا جھگڑا ہے کسے بنا دیں ؟

مجنوں نے جواب دیا۔

" میری لیلیٰ ہی کو بنا دو۔ کیونکہ مجھے تو لیلیٰ سے بہتر کوئی دکھائی دیتا ہی نہیں "۔

بہر نوع جس کو جس سے محبت ہو جائے۔ وہ محبت قانونِ عدل پہ قائم نہیں رہنے دیتی۔ اسی لئے تو کہتا ہوں کہ ہم فقیروں سے شکوہ نہ کیا کرو کہ فلاں کو فلاں سے محبت کیوں ہو گئی ہے یہ تو اپنے ذوق و شوق کی بات ہے کہ کسی کو شہنشاہ سے محبت ہو گئی اور کسی کو ایک گڈریئے سے محبت ہو گئی۔ کسی کو قید

کرنے والوں سے محبت ہو گئی اور کسی کو قید ہونیوالوں سے محبت ہوگی۔ الغرض
دیوانۂ محبت وعشق تمہارے کسی ضابطے کا پابند نہیں ہے۔

سامعین یاد رکھو!

اگر انسان کے لئے سب سے پیاری شے کوئی ہے تو اس کی اپنی ذات ہے
گویا ہر انسان یہی چاہتا ہے کہ میں سب سے بڑا ہو کر رہوں۔ میری بات بلند رہے
میری عزت سب سے زیادہ ہو۔ میرا گھر سب سے اچھا ہو۔ میرا لباس سب سے
اچھا ہو۔ بہر نوع ہر انسان کو اپنی ذات سے سب سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور
اپنی ذات سے بھی زیادہ اگر کوئی شے ایسی ہے جس سے انسان زیادہ محبت
چاہتا ہے تو وہ ,, بیٹا ،، ہے گویا ایک انسان کی سب سے زیادہ محبت والی
شے اگر کوئی ہے تو وہ اس کی ,, اولاد ،، ہے۔ خود پھٹا پرانا کپڑا پہن لیا مگر
بیٹے کو نیا خرید کے دیا۔ خود رات جاگ کے گذار دی۔ مگر بیٹے کو آرام سے
سلایا۔ گویا ہر باپ یہ نہیں چاہتا کہ مجھ سے کوئی بڑھ جائے مگر بیٹے کے لئے یہی
چاہتا ہے کہ مجھ سے بڑھ جائے۔ خود میٹرک ہے مگر چاہتا یہی ہے کہ بیٹا بی اے
ہو جائے۔ خود بی۔ اے ہے تو چاہتا یہی ہے کہ بیٹا پی۔ ایچ ڈی ہو جائے
اور خود لندن سے ہو کر آیا ہے تو بیٹے کے بارے میں یہی چاہے گا کہ وہ جنم میں
چلا جائے۔ بہر نوع ہر باپ اپنے سے زیادہ اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہے۔
ادھر اللہ بھی جب کسی کا امتحان لینا چاہتا ہے کہ آیا یہ قانونِ عدل پہ قائم بھی ہے
یا نہیں تو بیٹے سے امتحان لیتا ہے تاکہ دیکھ سکے کہ یہ انسان قانونِ عدل پہ قائم ہے
کہ نہیں یا قانونِ عدل سے ہٹ تو نہیں گیا۔

لہٰذا۔ اس کی سب سے بڑی مشہور و معروف مثال حضرت ابراہیمؑ
کی مثال ہے۔ اللہ نے کہا:-

"ابراھیمؑ!

تم میرے خلیل ہو، میرے دوست ہو اور تمہارا بیٹا بھی ماشاءاللہ میرا خلیل ہے۔ لہٰذا میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ کہیں تم بیٹے کی محبت میں قانونِ عدل سے ہٹ تو نہیں گئے؟

ابراھیمؑ نے جواب دیا۔

"خداوندا۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ہم تیرے قانونِ عدل سے منحرف ہو جائیں"

اللہ نے کہا۔

"ابراہیم! ہم تو جب جانیں گے جب تم ہماری محبت کا موازنہ اپنے بیٹے کی محبت سے کرو گے تاکہ ہمیں پتہ چل سکے کہ تم واقعی قانونِ عدل پہ قائم ہو۔"

ابراھیمؑ نے پوچھا۔

"خداوندا! وہ کیسے"؟

اللہ نے فرمایا۔

"ابراہیمؑ! اپنے بیٹے کو ہماری خاطر ذبح کر دو۔"

سامعین!

بتاؤ۔ قانونِ عدل پہ قائم رہنے کے لئے اپنے بیٹے کو ذبح کرنا ایک بہت بڑا امتحان ہے کہ نہیں؟

دیکھو نا! ابراہیمؑ نے تو خواب میں دیکھا تھا کہ بیٹا ذبح کر رہا ہوں اور پتہ ہے کہ نبی کا خواب یقیناً وحی ہوتا ہے۔ لہٰذا کیوں نا اسمٰعیل کی بے خبری میں کر دیا جائے۔ مگر ابراہیمؑ جانتا تھا کہ اگر میں نے یہ کام اسمٰعیل کی بے خبری میں کر دیا تو اسکا

اجر اسمٰعیل کو نہیں ملے گا۔ لہٰذا اسمٰعیل کو جگایا

"بیٹا اسمٰعیل! اٹھو"

چنانچہ جوان بیٹا اٹھ کے بیٹھ گیا اور عرض کی۔

"بابا! کیا حکم ہے؟"

ابراہیمؑ نے فرمایا "بیٹا! خداوند عزّ اسمہٗ وجل جلالہٗ کی طرف سے ہمیں حکم ہُوا ہے کہ ہم تمہیں ذبح کر دیں۔ بیٹا! تمہاری کیا رائے ہے؟"

اِدھر "قائم بلقسط" کے مصداق نے بغیر سوچے سمجھے جواب دے دیا۔

"بابا جان! پھر دیر کس بات کی ہے؟ حکم خدا کی ابھی تعمیل کرو۔ انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ انشاءاللہ ہم باپ بیٹا دونوں قانونِ عدل پر قائم رہیں گے۔"

بہرنوع دونوں میں مشورہ ہو گیا اور ساتھ یہ صلاح ہوئی کہ اسمٰعیل کی ماں کو اس کا پتہ نہ چلے۔ کیوں کہ جوان بیٹے کی ماں ہے کہیں گھبرا نہ جائے۔ لہٰذا ابراہیمؑ نے اسمٰعیل کی ماں کو یہ کہا کہ اسے دوست سے ملانے لے جا رہا ہوں۔ چنانچہ ہاجرہؑ نے بیٹے کو نہلا دھلا کے نئے کپڑے پہنائے اور دروازے تک چھوڑنے آئیں اور جب ابراہیمؑ بیٹے کو لیکر چل پڑے تو ایک بزرگ ہاجرہؑ کے پاس تشریف لائے اور کہا۔

"ہاجرہؑ! سُنتی بھی ہو۔ باہر آؤ اور اپنے بیٹے کو پکڑ کر واپس لاؤ کیونکہ ابراہیمؑ اسے ذبح کرنا چاہتے ہیں۔"

ہاجرہؑ نے کہا:۔

"تم پاگل تو نہیں ہو؟ بھلا باپ بھی بیٹے کو ذبح کرتا ہے۔"

بزرگ نے کہا:۔ "ہاجرہؑ! وہ کہتا ہے کہ مجھے "وحی" ہوئی ہے۔"

ہاجرہ نے کہا:۔

"ماشاء اللہ۔ اگر وحی ہوئی ہے تو بیشک ذبح کر ڈالے"

اب وہ بزرگ بولا:" ہاجرہ! میں تمہیں سمجھا رہا ہوں۔ دیکھو نا! یونہی گھر میں نہ بیٹھی رہو۔ باہر نکلو اور بیٹے کو پکڑ کر واپس لاؤ کوئی وحی وغیرہ نہیں آئی کیونکہ ابراہیمؑ بڈھا ہو چکا ہے اس لئے دماغ کام نہیں کرتا ہے"

ہاجرہ یہ سُنکر غصے میں کہتی ہے "لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ"

یہ سُنکر وہ بزرگ بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے مڑ کر پوچھا:۔

"ہاجرہ! تو نے مجھے کیسے پہچان لیا کہ میں لَاحَوْلَ وَلَا ہوں"؟

ہاجرہ نے جواب دیا:۔

"نامراد۔ تو نے خود ہی تو پہچنوا دیا۔ کیونکہ تو نبیؑ کی بیوی کو گھر سے باہر نکلنے اور اسمٰعیلؑ کو واپس لانے کی ترغیب جو دے رہا ہے اور جو نبیؑ کی بیوی کو گھر سے باہر نکلنے کی ترغیب دے وہ شیطان ہی تو ہے"

بہر نوع ابراہیمؑ اپنے بیٹے کو لیکر اس جگہ پہنچے جہاں اسے ذبح کرنا مقصود تھا۔ ابراہیمؑ نے وہاں پہنچتے ہی زمین کو صاف کیا پھر اپنی عبا بچھا کر اس پر بیٹے کو لٹا دیا۔ اور پوچھا۔

"بیٹا! بھوک تو نہیں لگ رہی۔ کوئی پیاس تو نہیں لگ رہی کوئی کنکر تو نہیں چبھ رہی؟"

اسمٰعیلؑ نے جواب دیا۔

"بابا جانے! "نہیں"

"بیٹا! اب میں حکم خدا کی تعمیل کر دوں!"

"ہاں بسم اللہ"

ابراہیم نے پوچھا۔ بیٹا! کوئی فرمائش ہے؟

اسمٰعیل نے جواب دیا۔

"ہاں باباجان! آپ میرے ہاتھ پاؤں مضبوطی سے باندھ دیں تاکہ میں زیادہ تڑپنے نہ پاؤں۔ اور اپنے کپڑے بھی سمیٹ لیں تاکہ میرے خون کی کوئی چھینٹ آپ کے دامن پہ نہ پڑ جائے۔ جسے میری امّاں نہ دیکھ لے۔"

چنانچہ یہ سب کچھ کرنے کے بعد ابراہیم نے اسمٰعیل کو لٹایا۔ ہاتھ میں چھری پکڑی اور جب ذبح کرنے کو گلے پہ چھری رکھی ہی تھی کہ ابراہیم نے اپنی اور اسمٰعیل کی آنکھوں پہ رومال ڈال دیا تاکہ بیٹا بھی چھری نہ دیکھ سکے اور ابراہیم بھی چھری نہ دیکھ سکے اس کے بعد ابراہیم نے "اللہ اکبر" کہہ کر اسمٰعیل کے گلے پہ چھری چلادی۔ اور کچھ دیر بعد ابراہیم نے جو اپنی آنکھوں سے پٹی ہٹائی تو دیکھا کہ بیٹا صحیح وسالم کھڑا مسکرا رہا ہے اور دُنبہ ذبح ہو چکا ہے۔ ابراہیم نے آسمان کی طرف منہ کرکے بلند آواز میں کہا۔

"خداوندا۔ کیا تو مجھ سے ناراض ہوگیا؟ کیا میں قانونِ عدل سے ہٹ گیا؟۔ کیا تو نے میرے پٹی باندھنے کو محسوس کرلیا؟"

قدرت کی طرف سے جواب آیا۔

"ابراہیم! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے کب کہا تھا کہ ذبح ہو جائیگا، ہم نے تو یہ کہا تھا کہ "ذبح کر ڈالو" لہٰذا تم نے اپنی بات پوری کردی۔ بس تمہارا آشنا کی امتحان تھا۔ انشاءاللہ ہم یہ قربانی تم پہ قرض رکھتے ہیں۔ کوئی سپوت بیٹا پیدا ہوگا جو تمہارے قرضے کو ادا کردیگا۔"

بزرگو! یاد رکھو۔ بیٹے کے معاملے میں امتحان دینا اور قانونِ عدل پہ قائم رہنا

بنی نوع آدم پر قرض ہے اور کائنات دیکھ رہی ہے کہ کون ایسا سپوت بیٹا آئے گا جو اس قرض کو ادا کرے گا ۔

بس بھائیو!

اس قرضے کو ادا کرنے کے لئے اپنے عزیزوں و جانثاروں کے ساتھ حسینؑ ابن علیؑ آج کربلا میں تشریف فرما ہیں اور کائنات منتظر ہے کہ ابراہیمؑ کا یہ سپوت بیٹا دادا کے قرضے کو کس شان سے ادا کرے گا ۔

حضور والا!

کربلا کا بھیانک بن ہے اور لاکھوں خونخواروں کے درمیان بہترؑ کا قافلہ ہے ۔ ذبیح میں بہترؑ کا سردار کھڑا ہے اور صبح سے کان میں آواز آ رہی ہے ۔

" مولا ! میں گر گیا " ، " میرے آقا ! میں گر گیا "

" میرے بادشاہ ! مجھے اٹھالو "

جب مولا اور آقا کی آوازیں آنی بند ہو گئیں اور باقی صرف اولادِ ابی طالبؑ رہ گئے تو حسینؑ نے کسی کا انتظار کئے بغیر حکم دیا ۔

" علی اکبرؑ ! بیٹا ۔ میں حکم دیتا ہوں کہ تم میدانِ شہادت میں جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہن کے بچے ذبح ہو جائیں ۔ بھائیؑ کا بیٹا قتل ہو جائے اور دنیا یہ کہے کہ اپنے بیٹے کو روک لیا تھا "

پھر لو ادھر امام کا حکم ہوا ادھر علی اکبرؑ میدان کی طرف چل پڑا ۔ ابھی چند قدم چلا ہی تھا کہ حسینؑ نے آواز دی ۔

" علی اکبرؑ ! بیٹا ۔ ذرا ٹھہرو "

اکبرؑ ٹھہر گئے ۔ پھر فرمایا ۔

" بیٹا ! گھوڑے سے اترو ۔ چنانچہ علی اکبرؑ گھوڑے سے نیچے اتر آئے

اور عرض کی۔

"بابا جان! کیا حکم ہے؟"

امام نے فرمایا۔

"بیٹا! بیت الشرف میں جاؤ اور ماں کو سلام کرو۔ پھوپھی کو سلام کرو

بہنوں سے رخصت ہو"

چنانچہ علیؑ اکبر گھر میں تشریف لائے اور حسینؑ بھی ساتھ ساتھ چلتے آئے

خیمہ میں آکر حسینؑ نے زینبؑ سے کہا۔

"زینبؑ! اکبرؑ آرہا ہے۔ آج میں سننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی

بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے"

چنانچہ علیؑ اکبر خیمے میں تشریف لائے اور لیلیٰ کو سلام کیا۔

"امّاں! سلام"

ماں جواب میں کہتی ہے۔

"اکبر بیٹا! تم ابھی تک زندہ ہو۔ میرے لعل! میں صبح سے

مصلےٰ بچھائے بیٹھی ہوں۔ تاکہ تیری میت آئے تو شکریہ کی نماز

پڑھوں۔"

علیؑ اکبر نے کہا۔

"امّاں! میں جا رہا ہوں"

"بیٹا! خدا حافظ۔"

علیؑ اکبر ماں سے رخصت ہو کر پھوپھی کے پاس آئے اور آتے ہی زینبؑ

کی گود میں سر رکھ دیا۔ اور لیٹ گئے اور عرض کی۔

"پھوپھی اماں! دیکھو۔ میں تمہارا اکبرؑ ہوں۔ مجھے پیار کرو۔"

ادھر حسینؑ کھڑے ہوئے دیکھ رہے ہیں کہ آج پھوپھی بھتیجے میں کیا باتیں ہونگی
تھوڑی دیر بعد اکبرؑ نے عرض کی۔

" اماں ! آپ ہی اس بات کی گواہ ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ جو بات بھی پوچھی ہے آپ ہی سے پوچھی ہے اور جو کچھ بھی مانگا ہے آپ ہی سے مانگا ہے۔ گویا سوائے آپ سے میں نے کسی سے واسطہ ہی نہیں رکھا۔ اماں ! آج بھی آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں"

زینبؑ نے کہا۔

" بیٹا ! آج کوئی مسئلہ پوچھنے کا موقع ہے"

"علی اکبرؑ نے عرض کی۔" اماں ! آج ایک مسئلہ بتا دو"

" اچھا میرے لعل ! پوچھو، کیا پوچھتے ہو"

علی اکبرؑ نے عرض کی۔

" اماں ! میری دادی فاطمہؑ کا مرتبہ زیادہ ہے یا آپ کا ؟

زینبؑ ایک دم گھبرا کے فرماتی ہیں۔

" بیٹا ! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ کجا فاطمہؑ کی شان، کجا میں میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ کنیز ہوں"

اب جو زینبؑ نے کہا کہ میں تو فاطمہؑ کی ادنیٰ کنیز ہوں تو علی اکبرؑ یا تو لیٹے تھے۔ یا اُٹھ کے بیٹھ گئے اور فرمایا۔

" اماں ! اگر تم واقعی فاطمہؑ کی کنیز ہو تو پھر ایک کام کرو۔ کہ آج فاطمہؑ کے بیٹے پہ اپنے بیٹے کو قربان تو کر دو"

بس پھوپھو !

علی اکبرؑ کا یہ کہنا تھا کہ اُدھر سے حسینؑ نے آواز دی۔

"زینبؑ! میں تاکہتا تھا کہ آج میں سُننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی بھتیجے میں کیا بات ہوتی ہے"

بہرنوع دونوں بہن بھائیؑ نے مل کر اکبرؑ کو آخری لباس پہنایا۔ زینبؑ نے عبا پہنائی اور حسینؑ نے عمامہ باندھا۔ مگر اس طرح باندھا گویا کفن باندھ دیا۔ اکبرؑ روانہ ہوئے کبھی کسی بہن نے آ کے عبا کا دامن پکڑ لیا۔ کبھی کسی بچی نے روک لیا۔ کبھی پھوپھی نے ٹھہرا لیا۔ جب بڑی دیر ہوگئی تو امامؑ نے فرمایا۔

"بیبیو! مسافر کا رستہ نہ روکو"

چنانچہ امامؑ کے کہنے سے سب خاموش ہوگئے۔ علی اکبر جب سب سے رُخصت ہو کر خیمے سے باہر نکلے اور ابھی دروازہ کے قریب ہی تھے کہ ایک دَرد بھری آواز آئی۔ جس کو حسینؑ جیسا صابر انسان سُن کر آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کے بیٹھ گیا اکبرؑ ابھی دروازہ کے قریب ہی تھے کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"اکبرؑ! ہم سے بھی ملتے جاؤ"

علی اکبرؑ پلٹ کے دیکھتے کیا ہیں کہ بیمار بھائیؑ چلا آرہا ہے۔ دونوں بھائیوں نے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے اور حسینؑ جیسا صابر آنسو پونچھتا ہوا باہر نکل آیا۔ اللہ جانے بھائیوں میں کیا راز و نیاز کی گفتگو ہوئی۔ بہرنوع اکبرؑ خیمے سے باہر آئے اور حسینؑ نے رکاب پکڑ کے سوار کر دیا اور فرمایا۔

"بیٹا! جاؤ۔ خدا حافظ"

اکبرؑ میدان کو چلے۔ حسینؑ بھی پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ تھوڑی دور جا کر اکبرؑ نے باگ روک لی۔ اور عرض کی۔

"بابا جان! میں اُتر آؤں؟"

حسینؑ نے فرمایا "نہیں بیٹا۔ جاؤ"

"بابا جان! پھر آپ تکلیف کیوں کر رہے ہیں؟"

حسینؑ نے فرمایا۔

"بیٹا اکبرؑ! تمہارا کوئی جوان بیٹا نہیں۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ ہمارے دل پہ کیا گذر رہی ہے۔

اچھا بیٹا! ہم بیٹھ گئے۔ تم جاؤ"

عزادار سیّد الشہدا!

یہ کہہ کر حسینؑ ایک ٹیلے پہ بیٹھ گئے اور علی اکبرؑ میدان میں آ گئے۔ ادھر جہاد شروع ہو گیا۔ علی اکبرؑ کی نظر فوجوں پہ۔ حسینؑ کی نظر علی اکبرؑ پہ۔ دروازہ میں کھڑی ہوئی زینبؑ کی نظر حسینؑ پر اور مصلّیٰ پر بیٹھی ہوئی لیلیٰ کی نظر زینبؑ پہ جمی ہوئی ہے۔ گویا یہاں سے وہاں تک نظر کا تار بل گیا۔

سب بھائیو! کوئی دس منٹ ہی گذرے ہوں گے کہ اکبرؑ گھوڑے سے گرے حسینؑ ٹیلے سے گرے۔ زینبؑ دروازے میں گری اور لیلیٰ سجدے میں گری

"یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ میری نیک کمائی نیک راہ میں کام آئی"

بزرگو!

علی اکبرؑ نے گھوڑے سے گرتے ہی آواز دی "یا اَبَہ اَدْرِکْنِی"

"بابا جان! میں گر گیا"

حسینؑ چلے اور جب اکبرؑ کی لاش نو دس قدم رہ گئی تو فرمایا۔

"اکبرؑ بیٹا! ایک دفعہ پھر پکارو۔ بیٹا! ہمیں رستہ نظر نہیں آ رہا ہماری بینائی کام نہیں کر رہی۔ لہٰذا تم ہمیں آواز دو تاکہ ہم تمہاری آواز کے سہارے آئیں"

چنانچہ علی اکبرؑ نے پھر آواز دی "یا اَبَتِ اِلَیَّ اِلَیَّ" بابا جا

میں یہاں ہوں"

حسینؑ آواز کے سہارے میت پہ پہنچے ۔ دیکھا کہ،
اکبرؑ ایک پاؤں سمیٹتا ہے اور ایک پاؤں پھیلاتا ہے۔ حسینؑ میت کے پاس
بیٹھ گئے ۔ گود میں اکبرؑ کا سر لیا اور فرمایا۔

" بیٹا علی اکبرؑ ! ہم آ گئے"

اکبرؑ نے عرض کی " بابا جان ! آپ نے بڑی تکلیف فرمائی ہے"
حسینؑ نے فرمایا۔

" بیٹا ! کہو۔ کچھ کہنا چاہتے ہو ؟

اکبرؑ نے عرض کی " بابا جان ! آج اکبرؑ آپ سے دو چیزیں مانگتا
ہے۔ پہلی چیز تو یہ ہے کہ اگر ہو سکے تو " دو گھونٹ پانی دے دو"
گویا جوان بیٹے کا زندگی میں باپ سے پہلا سوال ہی یہی تھا کہ " دو گھونٹ
پانی دے دو"

حسینؑ نے فرمایا " اکبرؑ بیٹا ! گھبراؤ نہیں تمہارے دادا ابھی تمہیں
سیراب کریں گے "

اکبرؑ نے فرمایا۔

" بابا جان ! دوسری فرمائش کرتا ہوں کہ ابھی میں زندہ ہوں لہٰذا
مجھے گھر لے چلو تاکہ میں پھوپھی اور اماں سے آخری بار مل سکوں"

حسینؑ نے کہا۔

" ہاں بیٹا ! تمہاری یہ فرمائش ہم ضرور پوری کریں گے "

یہ کہہ کر حسینؑ نے ایک ہاتھ اکبرؑ کی گردن کے نیچے رکھا اور ایک ہاتھ پیروں کے
نیچے رکھا اور " یا علیؑ مدد " کہہ کے میت اٹھانا چاہی ۔ جوان میت بھاری تھا

آدمی۔ ہاتھ تھرائے۔ زمین پہ رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد پھر ارادہ کیا۔ اب کے سینے تک اٹھائی۔ مگر ہاتھ پھر بھی تھرائے میت زمین پہ لٹادی۔ اور حسینؑ نے فرمایا۔

"اکبرؑ بیٹا! ایک کام کرو کہ ادھر سے ہم اٹھاتے ہیں اُدھر سے تم دونوں ہاتھ ہمارے گلے میں ڈال دو۔ کچھ تم سہارا کرو۔ کچھ ہم سہارا کریں گے"

چنانچہ اکبرؑ نے ایک ہاتھ باپ کے گلے میں ڈال دیا۔ حسینؑ نے کہا۔

"بیٹا! دوسرا ہاتھ بھی ڈال دو"

اکبرؑ نے عرض کی: "بابا جان! دوسرا ہاتھ میں سینے سے اٹھانا نہیں چاہتا"

"کیوں بیٹا! کیا بات ہے"؟

"بابا جان! میں اپنا سینہ آپ کو دکھانا نہیں چاہتا"!

حسینؑ نے فرمایا۔

"بیٹا! کوئی بات نہیں۔ ہمیں بھی دکھاؤ۔ ہم دیکھیں گے"!

اب جو اکبرؑ نے سینے سے ہاتھ اُٹھایا تو حسینؑ نے دیکھا کہ برچھی کا پھل ٹوٹ کے اکبرؑ کے سینے میں رہ گیا ہے اور اکبرؑ کا دل اس میں پھنسا ہوا ہے۔ حسینؑ نے دیکھ کے فرمایا۔

"بیٹا! یہ بات تھی۔ گھبراؤ نہیں"!

یہ کہہ کے حسینؑ نے بیٹے کی میت کو زمین پہ لٹایا۔ خود دو زانو بیٹھے۔ ایک ہاتھ بیٹے کے سینے پہ رکھا۔ ایک ہاتھ میں برچھی پکڑی اور کھینچنے کا ارادہ کیا۔ بلند آواز سے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔

"نانا رسول اللہ! دادا ابراہیم کو لیکر کربلا میں آؤ اور دیکھو! میری آنکھوں پہ رومال نہیں ہے۔ میری آنکھوں پہ پٹی نہیں ہے۔ میرا

ہاتھ نہیں لرز رہا۔ میرا بدن نہیں کانپ رہا۔

خداوندا!

دیکھ۔ آج میں دادا ابراہیمؑ کا قرض چکا رہا ہوں۔"

بزرگانِ من!

حسینؑ نے برچھی کو ہلایا۔ برچھی ہلی تو اکبرؑ کا بندھا ہوا دل ہلا۔ دل ہلا تو سارا بدن تھرایا۔ بدن کا تھرانا تھا کہ کربلا میں زلزلہ آیا۔ کربلا میں زلزلہ آیا تو حسینؑ کے خیموں میں زلزلہ آیا اور خیموں پہ زلزلہ آنا تھا کہ پردہ اٹھا اور زینبؑ نے آواز دی۔

"حسینؑ! مجھے آنے دو۔ اکیلے یہ کام نہ کرنا۔ دونوں بہن بھائی مل کے یہ کام کریں گے"

زینبؑ کا یہ کہنا تھا کہ حسینؑ نے وہیں سے آواز دی۔

"زینبؑ! باہر نہ آنا۔ تیرے پردے پہ اکبرؑ کو قربان کرتا ہوں"

عزادارِ سید الشہداءؑ!

آج سے چند سال قبل کربلا معلیٰ میں حرم سید الشہداءؑ میں ضریح اقدس کے پاس کھڑے ہو کر۔ نماز صبح کے بعد شیخ مہدی نامی ایک شخص تھوڑی دیر مصائب سید الشہداءؑ پڑھا کرتے تھے۔ یہی گویا صبح کا ایک وظیفہ تھا۔ ایک روز انہوں نے علی اکبرؑ کی شہادت پڑھ دی۔ بڑا گریہ ہوا۔ واپس گھر گئے۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جب سو گئے۔ تو خواب میں دیکھا کہ سیاہ برقعہ والی ایک خاتون آئی ہیں اور تی ہیں۔

"شیخ۔ مہدی!"۔ شیخ کہتا ہے کہ میں خواب میں ہی اٹھ کے بیٹھ گیا اور عرض کی۔

"بی بی! کیا بات ہے؟"

بی بی نے فرمایا۔

"شیخ! مجھے پہچانو۔ میں حسینؑ کی ماں ہوں"

شیخ کہتا ہے کہ میں تھر تھر کانپنے لگا۔ اور عرض کی۔

"حضور! کیا حکم ہے؟"

بی بی نے فرمایا۔

شیخ! تم نے آج حرم میں علی اکبرؑ کی شہادت پڑھی ہے آئندہ یہ شہادت نہ پڑھنا"

شیخ نے عرض کی۔

"کیوں بی بی! کوئی غلط روائیت پڑھ دی تھی؟"

بی بی نے فرمایا۔

نہیں۔ بالکل درست کہا تھا۔ مگر جب سے تو نے یہ واقعہ پڑھا ہے کہ اکبرؑ و قاسمؑ کے لاشہ پر ہاتھ رکھ کر حسینؑ نے کہا۔

"وغربتا"۔ یا اللہ! میں غریب ہو گیا۔ اُس وقت سے میرا حسینؑ بے ہوش پڑا ہے۔ وہ اَب بھی اکبرؑ کو یاد کر رہا ہے۔ میں اَب تک اُسے بہلا رہی ہوں۔

سامعین!

قانونِ عدل یہی ہے جس پہ حسینؑ نے اکبرؑ جیسے بیٹے کی محبت کو قربان کر دیا۔ اور یہی ہے وہ ذبحِ عظیم جو میدان کربلا میں ادا کیا گیا

اللہ ہمیں مودّت محمدؐ و آل محمدؐ عطا فرمائے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

قانون عدل
نمبر ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خداوند عزّ اسمہٗ وجلّ جلالہٗ کی حمد وثناء کے بعد حضرات محمدؐ وآلِ محمدؐ پر درود وسلام

حضرات گرامی قدر!

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ چاہتا یہی ہے کہ انسان اپنے ہر قول وفعل وعمل سے قانونِ عدل پر قائم رہے۔ عدل سے تجاوز نہ کرے بلکہ ہر معاملہ میں قانونِ عدل پر قائم رہے۔ یہی اللہ کا منشاء ہے اور یہی وہ انسان سے چاہتا ہے۔ اب اللہ کے چاہنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر انسان عدل پہ قائم رہے گا تو اللہ کو کوئی فائدہ پہنچے گا اور اگر عدل کو چھوڑ دے گا تو اللہ کو کوئی نقصان ہو گا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اللہ بہر نوع اللہ ہے۔ اللہ کا کسی حالت میں کچھ نہیں بگڑتا۔ اگر ساری دُنیا مل کے اللہ کا نام لے تو سُبحان اللہ اور اگر ساری دُنیا اس کا نام لینا چھوڑ دے تو ماشاء اللہ۔ اللہ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ وہ تو صاف کہتا ہے کہ:

اگر تم مجھے یاد رکھتے ہو تو شاباش اور اگر بھول جاتے ہو تو جاؤ جہنم میں:

لہٰذا اللہ جو کچھ بھی چاہتا ہے۔ اُس کی جو کچھ بھی منشاء ہے وہ اس لئے ہے کہ ہمارے اندر یہ خوبی ہو۔ ہمارے اندر یہ کمال ہو اور صرف اس لئے کہ دُنیا میں عدلِ حقیقی قائم رہے۔ لہٰذا اللہ نے عدلِ حقیقی کے ایک لاکھ چوبیس ہزار نمونے انسان کو دکھائے اور سمجھائے۔ یہاں تک کہ جب ہمیں سارے نمونے دکھا چکا تو عدل کو ہمارے دل میں راسخ کرنے کے لئے اس نے عدلِ حقیقی کو۔ قائم۔ کر دیا تاکہ کسی طرح انسان عدل پر قائم ہو جائے۔

صاحبانِ ذوق!

اللہ نے پہلا نمونۂ عدل جو ہمیں دکھایا وہ تھے ہم سب کے باوا آدمؑ۔ اور جب آدمؑ بن کے تیار ہوئے تو اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ،، اسکی طرف رُخ کرکے سجدہ کرو ،، یہ نہیں کہا کہ ،، اس کو سجدہ کرو ،، بلکہ یہ فرمایا کہ سجدہ اللہ کو کرو۔ مگر آدمؑ کو ،، قبلہ ،، بنا کے کرو۔ اِدھر فرشتے بیچارے بھولے بھالے ۔سیدھی سادھی مخلوق۔ سوائے حکم کی تعمیل کے کچھ جانتے نہیں تھے۔ انہیں جب حکم ملا کہ ،، سجدہ کرو ،، تو فوراً حکم کی تعمیل میں انھوں نے اپنے سر جھکا دیئے۔

پھر اعلیٰ حضرت کی طرف سے حکم ملا ،، ابھی ٹھہرو ،،

چنانچہ فرشتے ٹھہر گئے اور عرض کی۔

،، قبلہ ! آپ ہی نے تو حکم دیا ہے۔ اب روکتے کیوں ہو ،،

اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

،، فرشتو ! بیشک اس کی طرف سجدہ کرو۔ کیونکہ یہ ہمارا بنایا ہوا ہے مگر ذرا ٹھہرو۔ کیونکہ جب اس میں ،، رُوح ،، آجائے گی تو پھر سے سجدہ کرنا ،،

چنانچہ فرشتوں نے آدم کو جب سجدہ کیا جب اس میں رُوح آگئی۔

سامعین!

یاد رکھو۔ تخلیقِ آدمؑ کے ساتھ اللہ نے ہمیں یہ قانونِ عدل سکھا دیا کہ میں ،، قبلہ ،، ضرور بناتا ہوں مگر اس وقت تک وہ قبلہ نہیں بن سکتا جب تک اس میں میری رُوح نہ آجائے۔ چاہے وہ خلیل بنائے یا خود اپنے ہاتھوں سے جلیل بنائے۔ وہ قبلہ جب بنے گا جب اس میں میری رُوح آجائے گی ،،

حضورِ والا ! یہی نکتہ تھا کہ آج سے پانچ ہزار سال قبل اللہ کے

یک خلیل بندے نے مکّہ میں اللہ کا ایک گھر بنایا۔ ذہن میں تصور یہ تھا کہ اللہ جانے یہ گھر کیسا ہوگا۔ کیونکہ میں نے گورنمنٹ ہاؤس دیکھا تھا۔ اس وقت میں نے اندازہ لگایا تھا کہ جب گورنر اور نوابوں کی حویلیاں کئی میلوں تک پھیلی ہوئی ہیں تو اللہ جانے "خُدا ہاؤس" کتنا بڑا ہوگا۔ دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ کا مکان اللہ جانے کتنا وسیع ہوگا۔ اور اللہ کا گھر بناتے وقت بھی یہی تصور غالباً حضرت ابراہیمؑ کا بھی ہوگا کہ۔

"خداوندا! تیرا گھر بنانا ہے۔ ذرا اس گھر کا نقشہ تو بھیج دے تاکہ تیرا گھر بناؤں۔ اللہ نے جواب دیا۔

"ابراہیمؑ! سنتے بھی ہو۔ گھر تو میرا ہی ہوگا۔ مگر زیادہ ناپ تول کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اتنا کمرہ بنا دو کہ بوقت ضرورت ایک عورت آرام سے لیٹ سکے کیونکہ میں نے نہ خود آکے رہنا ہے اور نہ ہی کرائے پہ دینا ہے۔ بلکہ یونہی خالی پڑا رہے گا چاہے اس پہ بُت قبضہ کریں۔ چاہے بُت پرست قبضہ کریں مگر گھر میرا ہے۔ میں ہی اس گھر کا مالک ہوں"

ہم پوچھتے ہیں۔

"خداوندا! تو قادرِ مطلق ہو کر، اتنی بڑی طاقت والا ہو کر اپنے گھر پر کیوں ان نامراد بتوں کا قبضہ ہونے دیا۔" اللہ جواب میں فرماتا ہے۔

"دیکھو نا! تم ابھی نادان ہو۔ کسی بات کو اچھی طرح سمجھتے نہیں ہو۔ اگر بُت میرے برابر کے ہوتے تو میں ان سے لڑتا اور جن بتوں کو دوسروں نے بنا کے بٹھایا ہو ان سے لڑنا میری توہین ہے۔ اگر ان پہ میں نے فتح بھی پالی تو بات کیا ہوئی۔ لہٰذا اگر یہ نامراد بُت بیٹھے ہیں تو بیٹھے رہو۔ جب وقت آئے گا خود ہی نکل جائیں گے"

سامعین!

ادھر بُت ہیں کہ ضد کر بیٹھے کہ ہم نہیں نکلتے کیونکہ خدا کا گھر ہے اور ہم لوگوں کے بنائے ہُوئے خدا ہیں!

لہٰذا مجبوراً اللہ کو ایسا آدمی بھیجنا پڑا کہ جس نے آتے ہی بتوں سے یہی کہا: "نکل جاؤ میرے گھر سے۔ تمہیں معلوم نہیں کہ یہ میرا زچہ خانہ ہے" پھر نوح ابراہیمؑ نے اللہ کا گھر بنایا جس کو اب ہا مسلمان قبلہ سمجھ کر سجدہ کرتے ہیں۔ اور گھر بنانے کی شان یہ تھی کہ ابراہیمؑ معمار اور اسمٰعیل مزدور بن گئے۔ جبرئیلؑ انکے معاون بن گئے۔ اور اعلیٰ حضرت خود انجینئر بن گئے اور اپنی موجودگی میں دیکھ دیکھ کے بنوا رہے تھے۔ ادھر ابراہیمؑ دیوار کا ایک ردّا لگاتے اور نہ رد ہونے والی دُعا مانگ لیا کرتے۔

خداوندا! اتنا گھر بن گیا۔ اب مجھے یہ مل جائے۔ اب میری اولاد کو یہ مل جائے۔ اور اللہ دیتا رہا اور گھر بنتا رہا۔ اور جب پُورا گھر بن گیا تو اللہ نے اس گھر کا نام "بیت اللہ" رکھ دیا۔

بس بھائیو! یہاں تک تو میں نے کہہ دیا کہ اس گھر کا نام اللہ نے "بیت اللہ" رکھ دیا۔ اب آپ خود ہی بتائیں کہ اگر کوئی اس گھر میں رہنے لگ جائے تو وہ کیا کہلائے گا۔؟ "اھلبیت" گویا بت اہلبیت بن گئے؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ گھر میں رہنا اور بات ہے اور اہلبیت ہونا اور بات ہے۔ بہرنوع بیت اللہ بن گیا اور ابراہیمؑ نے عرض کی۔

"خداوندا۔ تیرا گھر بن گیا۔ اب معائنہ کرکے دیکھ لے"

چنانچہ اعلیٰ حضرت نے معائنہ کیا اور فرمایا۔

"ابراھیمؑ! شاباش۔ بہت اچھا گھر بنا ہے مگر تم دونوں باپ بیٹا۔

مل کر ایک کام کرو :

"میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کر دو"

سامعین !

اللہ نے صرف ابراہیم اکیلے کو حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ تم دونوں مل کے میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے پاک کر دو۔

چنانچہ دونوں باپ بیٹے نے مل کے گھر کو پاک کرنا شروع کیا اور پاک کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ کعبہ کی دیواروں میں لگی ہوئی اینٹوں میں سے ایک ایک اینٹ پہ ہاتھ رکھا اور کہا "سُبحان اللہ" دوسری پہ ہاتھ رکھا اور کہا "سُبحان اللہ" تیسری پہ ہاتھ رکھا اور کہا "سُبحان اللہ" جب ساری اینٹوں پہ ہاتھ رکھ کے سُبحان اللہ کہدیا تو اللہ نے کہا "پاک ہو گیا"۔ گویا ابراہیم نے بحکمِ خدا کعبے کی تمام اینٹوں پہ سبحان اللہ کہہ کے تمام دیوارِ کعبہ کو تسبیح کے دانے بنا دیا۔ اَب جب دیوارِ کعبہ تسبیح کے دانے بن گئی تو "امام" کو خود ہی راستہ مل جائے گا۔ بہر نوع خدا کا گھر پاک ہو گیا اور پاک کیا بھی ابراہیم و اسمٰعیل دونوں نے مل کر

سامعین !

یاد رکھو ! اللہ کہتا ہے کہ میرا قانونِ عدل ہی یہی ہے کہ میں جب بھی کوئی کام لیتا ہوں تو ایک سے نہیں لیتا بلکہ دو سے لیتا ہوں۔ کیونکہ دو کے بغیر میرا کام چل سکتا ہی نہیں۔ دو ہوں تو کام کرو ورنہ رہنے دو۔"

دیکھو نا ! دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ قریب سے ہی دیکھ لو کہ ابراہیم کے ساتھ ہم نے اسمٰعیل کو لگا دیا۔ موسیٰ کے ساتھ ہارونؑ کو لگا دیا۔ اسی طرح ہر ایک کے ساتھ دوسرا لگاتے رہے اور جب بیٹے اکیلے رہ گئے کہ کوئی دوسرا معصوم نہیں تھا۔ تو اللہ نے کہا۔

"عیسیٰؑ ! تم اکیلے ہو اور اکیلے سے ہم کوئی کام نہیں لیا کرتے لہٰذا تم غائب ہو جاؤ"۔ چنانچہ عیسیٰؑ غائب ہو گئے

بہر نوع ہدایت کا یہ سلسلہ چلتے چلتے جب محمدؐ تک پہنچا تو اللہ نے محمدؐ کے ساتھ علیؑ کو لگایا۔ علیؑ کے ساتھ حسینؑ کو لگا دیا۔ یہاں تک کہ گیارہویں کے ساتھ بارہویں کو لگا دیا اور جب بارہواں اکیلا رہ گیا تو خدا نے اپنے قانونِ عدل کے مطابق اُسے بھی غائب کر دیا۔ اُدھر عیسیٰؑ اکیلا رہ گیا اُسے غائب کر دیا گیا۔ اِدھر بارہواں اکیلا رہ گیا اسے بھی غائب کر دیا گیا۔ جب تک دونوں اکیلے رہیں گے غائب رہیں گے اور جب اللہ اُن سے ہدایت کا کام لینا چاہے گا تو پھر انہیں ملا دے گا۔ اب یہ دونوں کہاں ایک دوسرے سے ملیں گے۔ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ کیونکہ ایک غائب ہے زمین پر اور ایک غائب ہے آسمان پر۔ لہٰذا دونوں کے غائب ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اِدھر عیسائی ہے کہ وہ اکڑ کے کہتا ہے۔

"مسلمانو! تمہارے والا زمین پہ غائب ہے اور ہمارے والا آسمان پر غائب ہے"

بھائیو!

اب ان عیسائیوں کو کون سمجھائے کہ اللہ نے دونوں کو غائب کرتے وقت قانونِ عدل کی میزان میں تولا تو ایک اتنا کم وزن نکلا کہ آسمان پہ پہنچ گیا اور ایک اتنا وزن والا تھا کہ زمین پہ رہ گیا۔ اور رہ گیا ان دونوں کے ملنے کا طریقہ کہ یہ کہاں ملیں گے تو یہ بات وقت بتائے گا کہ آسمان والا آئے گا یا زمین والا جائے گا۔ بہر نوع دونوں ہوں گے تو ہدایت کا کام شروع ہو گا۔

حضور والا!

قیامت کے دن جب مسلمان اور عیسائی آپس میں جھگڑیں گے کہ امام کون ہے

تو اتفاق سے ایک پٹواری صاحب اگر آجائیں تو یہ مسئلہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ آکر یہی کہے گا۔

مولوی صاحبان! تم کیوں خواہ مخواہ کے لئے جھگڑ رہے ہو۔ یہ مسئلہ تو ہمارے سمجھانے کا ہے کہ چونکہ بیٹے زمین چھوڑ کر بے دخل ہو گئے تھے اور یہ آجتک اپنی زمین پہ قابض ہے۔ اور قابض و دخیل کار کے ہوتے ہوئے بے دخل کو زمین پر امامت کروانے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

بہرنوع زمین والا ہمیں نماز پڑھائے گا اور ہم نماز پڑھیں گے تو دیکھیں گے کہ نصیری اور نصاریٰ میں لڑائی ہو رہی ہو گی۔ کیونکہ نصاریٰ کے خدا کا بیٹا پیچھے ہو گا اور نصیری کے خدا کا بیٹا آگے ہو گا۔ اس دن نصیری کہے گا کہ ہم نا کہتے تھے کہ۔۔ " ہمارے خدا کا بیٹا آگیا ہے "

بہرکیف خدا کے قانونِ عدل کے مطابق دو ہوں گے تو کام ہو گا۔ اسی طرح خدا نے ابراہیم اور اسمٰعیل دونوں سے کعبہ کو پاک کروانے کا کام کروایا اور جب کعبہ میں بتوں نے گھر بنا لیا اور اسے پاک کروایا تو اس وقت بھی تنہا محمدؐ نہیں تھے بلکہ علیؑ بھی ساتھ ہی تھے۔ دونوں نے مل کے خدا کے گھر کو پاک کیا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

محمدؐ! اسے قبلہ بناؤ "

خداوندا۔ کیسے ؟

اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ جب اسمیں میری روح آجائے گی تو یہ قبلہ بن جائے گا "

ادھر دنیا انتظار میں تھی کہ اعلیٰ حضرت کی روح کب آئے گی۔ کہاں سے آئے گی اور کس طرح قبلہ بنے گا۔ یہاں تک کہ خدا کے آخری رسولؐ بھی آگئے

ان سے پُوچھا گیا کہ حضوؐر! قبلہ بنا؟

"حضوؐر نے فرمایا ..." نہیں

"حضوؐر! کب بنے گا؟"

محمدؐ نے فرمایا "گھبراؤ نہیں۔ ابھی بن جائے گا" یہاں تک کہ ایک دن رسُول نے دُعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

"خُداوندا۔ تو نے مجھے آخری رسُول بنایا ہے۔ تو نے مجھے کائنات کا ہادی بنایا ہے۔ لہٰذا میں تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ مجھے "مددگار" بھی اپنے ہی گھر سے دے۔"

اللہ نے کہا "محمدؐ! میں اسی دُعا کا منتظر تھا۔ تو نے میرے گھر سے مددگار مانگا لہٰذا ضرور ملے گا۔"

حضوُر والا!

اُدھر رسُول نے دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور ادھر اسد کی بیٹی اور اسد کی ماں الہامی طور پہ خدا کے گھر کے قریب پہنچی۔ گھر کا طواف کیا۔ ایک جگہ ٹھہری اور ابھی ٹھہری ہی تھی کہ کعبہ کی دیوار شق ہو گئی۔

نوجوانو! اگر تم کہیں چلے جا رہے ہو اور تمہارے سامنے والی دیوار اچانک شق ہو جائے تو تم گھبرا نہیں جاؤ گے؟ مگر اسد کی بیٹی کا جگر دیکھو کہ ادھر سے دیوار شق ہوئی اور ادھر وہ بھاگی نہیں بلکہ فرماتی ہیں۔

"بھاگیں ہمارے دشمن۔ ڈریں ہمارے دشمن۔ میں ایک نا ڈرنے والے کی ماں ہوں"

لہٰذا جب دیوار شق ہوئی تو یہ خاتون بجائے بھاگنے کے آگے بڑھی اور کعبہ میں آکر بیٹھ گئیں اور دیوار پھر بند ہو گئی۔ اب گھر میں فاطمہؓ بنت اسد اکیلی

بیٹھی ہیں۔ ادھر رسولؐ کو وحی پہنچی کہ۔

"محمدؐ! سنتے بھی ہو۔ جسے تم نے میرے گھر سے مانگا تھا وہ آگیا ہے لہٰذا اسے جاکر لے آؤ" چنانچہ رسولؐ تشریف لائے۔ چچی کو سلام کیا۔

"امّاں! سلام"

فاطمہؑ بنت اسد نے کہا "محمدؐ بیٹا! وعلیکم سلام"

"امّاں! میرے بھائی کو میری گود میں دو"

چنانچہ رسولؐ قریب گئے۔ آخر درجے کی رسالت جھکی اور اوّل درجے کی امامت ہمکی۔ نور کا ایک ٹکڑا دوسرے نور سے متصل ہوا۔ بھائی بھائی کے سینے سے چمٹ گیا۔ تھوڑی تھوڑی لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔

ہم پوچھتے ہیں "قبلہ! ہنستے کیوں ہو؟"

وہ فرماتے ہیں۔

"ہنسنے کی تو بات ہے۔ یہ صاحب عالم ازل سے مجھے چھوڑ کر آگئے تھے۔ آج ہم بچپن کے ساتھی ایک دوسرے سے پھر ملیں ہیں لہٰذا ہنستا ہوں کہ ہم آگئے نا"

بچے کو محمدؐ نے سینے سے لگایا۔ بوسہ لیا اور فرمایا۔

"امّاں! مبارک ہو۔ ماشاءاللہ بڑا خوبصورت ہے"

ماں نے کہا۔

محمدؐ! خاک مبارک ہو۔ اس میں زندہ رہنے کی کوئی آثار ہیں ہی نہیں دیکھو نا! تین دن ہو گئے اسے کعبہ میں آئے ہوئے۔ نہ اس نے آنکھ کھولی۔ نہ اس نے دودھ پیا اور نہ ہی یہ رویا۔ ایسے بچے کا زندہ رہنا مشکل ہے"

محمدؐ نے کہا "امّاں! گھبراؤ نہیں"۔ یہ کہہ کر حضورؐ نے بچے کو ہاتھوں

پرلٹایا۔ اور پوچھا۔

"برخوردار! ہم نے تمہاری تمام شکائتیں سُن لی ہیں۔ بتاؤ۔ تم نے آنکھ کیوں نہیں کھولی؟" بچّے نے عرض کی۔

"قبلہ! اگر آنکھ کھولتا تو کعبہ میں رکھے ہُوئے بتوں سے نظر پڑ جاتی اور جب نظر پڑ جاتی تو توڑتے ہوئے مروت نا آجاتی۔ اب حضور آگئے ہیں۔ لیجئے۔ آنکھ کھول دی"

یہ کہہ کر بچّے نے آنکھ کھولی اور پہلی نظر چہرہ رسُولؐ پر پڑی۔

بچّو! آپ چاہے "یا علیؑ" کا نعرہ لگائیں یا کچھ کریں۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آپ کے علیؑ نے سمجھا تھا کہ مجھ سے بہادر کوئی نہیں مگر کعبہ میں جب محمدؐ کو دیکھا تو "آنکھ کھُل گئی"۔

بہرنوع بچّے نے آنکھ کھول دی۔ اب محمدؐ پوچھتے ہیں۔

"برخوردار! تم روئے نہیں؟"

فرمایا "نہیں"

"کیوں؟"

"قبلہ! بات یہ ہے کہ میرا دل تو رونے کو بہت چاہا مگر میں رونے کو ضبط کرتا رہا۔ کیونکہ کعبہ میں میری ماں اکیلی تھی اور میں اس کا ساتھی تھا۔ اس لئے ساتھی ہو کے رونا مجھے پسند نہ آیا"

اب محمدؐ مسکراتے ہوئے پوچھتے ہیں۔

"برخوردار! تم نے دُودھ کیوں نہیں پیا؟"

فرمایا "حضورؐ! بھوک لگ رہی تھی مگر معاف کرنا۔ اگر اور بچوں کی طرح پیدا ہوتا تو ضرور اپنی ماں کا دُودھ پیتا۔ مگر آپ نے رسالت کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ کو

گواہ کی ضرورت ہے لہٰذا آپؐ نے اللہ سے دُعا کی کہ اپنے گھر سے گواہ دے۔ چنانچہ میں آپ کے طلب کرنے پر بطور گواہ آیا ہوں اور جب آپ کے طلب کرنے پر بطور گواہ آیا ہوں تو اپنی ماں کا دُودھ کیوں پیوں کیوں کہ گواہ کا خرچ خوراک مدعی کے ذمّہ ہوتا ہے اس لئے آپ خود میری خوراک کا انتظام فرمائیں"۔

بچّے کی یہ باتیں سُنکر رسُولؐ نے اپنی انگشت مبارک دہن میں داخل کی۔ دُودھ جاری ہوا۔ ایک دو گھونٹ پی کر بچّے نے منہ پھیر لیا۔ رسُولؐ سمجھ گئے کہ گواہ ذرا تر مال چاہتا ہے۔ رسُولؐ نے اب جو زبانِ اقدس دہن میں داخل کی تو زبان سے دُودھ جاری ہوا۔ اور خوب پیٹ بھر کے پیا۔ اور جب پی چکے تو ننھے ہونٹوں سے زبانِ رسُولؐ مضبوط پکڑلی۔ اِدھر رسُولؐ اشارے سے فرماتے ہیں "چھوڑ دو بھی" اُدھر بچہ اشارے میں جواب دیتا ہے "ٹھہرو بھی"

چنانچہ رسُولؐ اسی طرح اپنی زبان بچّے کے دہن میں ڈالے ہُوئے گھر تک آئے۔ گھر کے جتنے بڈھے تھے وہ محمدؐ کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ اِدھر بچّے نے جو دیکھا کہ رسُولؐ کی زبان دہن میں ہے تو مُسکرایا اور آنکھوں میں خاندان کے بزرگوں سے کہہ رہا تھا۔

"خاندان کے بزرگو! گواہ رہنا۔ پیدا ہوتے ہی محمدؐ مجھے زبان دے چکے ہیں:

رسُولؐ نے بچّے کو گہوارے میں لٹا دیا۔ اوپر ایک چادر اوڑھا دی۔ مُبارکباد دینے والے لوگ آنے لگے اور پوچھنے لگے۔

"محمدؐ! ماشاءاللہ۔ شکل کیسی ہے؟"

رسُولؐ فرماتے ہیں۔

"کیا بتاؤں کہ شکل کیسی ہے۔ کیونکہ بچّے اموماً اسی کی شکل ہوتے ہیں جیسے

گھر پیدا ہوں۔ اور یہ بچہ ایسے گھر میں پیدا ہوا ہے جس کی کوئی شکل ہی نہیں۔ لہٰذا میں نہیں کون سی شکل بتاؤں"

ادھر سے اعلیٰ حضرت نے کہا۔

"محمدؐ! واہ۔ بڑی مشکل سے تو ہمارے گھر میں ایک بچہ پیدا ہوا اور تم اس کی شکل بتاتے ہوئے گھبراتے ہو۔ کہدو کہ اس بچے کی آنکھیں "عین اللہ" ہیں۔ چہرہ "وجہ اللہ" ہے۔ ہاتھ "ید اللہ" ہیں اور زبان "لسان اللہ" ہے۔

چنانچہ رسولؐ نے بھی کہہ دیا کہ آنکھیں عین اللہ ہیں۔ چہرہ وجہ اللہ ہے۔ ہاتھ ید اللہ ہیں اور زبان لسان اللہ ہے۔ جب رسولؐ سب کچھ کہہ چکا تو خیال آیا کہ یہ کیا ہو گیا۔ کیونکہ اللہ سے دعائیں مانگ کے میں نے تو اپنا مددگار مانگا تھا مگر اللہ نے ایک ایک کر کے پھر واپس لے لیا۔ اب میرے پاس کیا رہ گیا"۔ لہٰذا اب تک جو اللہ نے نہیں کہا تھا وہ رسولؐ نے جلدی جلدی کہہ دیا۔

"یا علی لحمک لحمی۔ دمک دمی"

"یا علیؑ! تیرا میرا گوشت ایک۔ تیرا میرا خون ایک"

سامعین!

ہاتھ اور آنکھیں وغیرہ اللہ نے دے دیں اور گوشت خون رسولؐ نے دے دیا۔ اور ادھر ہم گہوارے کی طرف دیکھتے ہیں تو بچہ ہنسے جا رہا ہے۔ ہم نے عرض کی "یا علیؑ! ہنستے کیوں ہو؟"

بچہ جواب میں کہتا ہے۔ "آج لطف آگیا"

قبلہ! کیا لطف آگیا؟"

"دیکھو نا! آج ہم تقسیم ہو گئے۔ آج ہم بٹ گئے۔ آدھے اللہ کے

حصے میں آ گئے اور آدھے رسُول کے حصے میں آ گئے۔ ہمارے پاس تو کچھ رہا ہی نہیں۔ اب اگر کوئی مجھ سے محبت کرے گا تو آدھی اللہ سے کرے گا اور آدھی رسُول سے کرے گا۔ اور اگر کوئی مجھ سے عداوت کرے گا تو آدھی اللہ سے کرے گا اور آدھی رسُول سے کرے گا"

بچّو!

تمہیں ایک واقعہ سُناؤں کہ جب ہمارے رسُول اس بچّے کو لیکر گھر پہنچے ہیں تو تھوڑی دیر بعد حضرت ابُوجہل تشریف لائے۔ ان کا ذریعہ معاش ہی یہ تھا کہ مکّہ میں جو بچّہ پیدا ہوتا وہ اس کی آنکھوں میں کسی بڑے بُت کے پاؤں کی مٹی بطور سرمہ لگاتے اور سُوا روپیہ ہدیہ لیکر گھر جاتے چنانچہ وہ آج بھی تشریف لائے کہ بڑے گھر میں بچّہ پیدا ہُوا ہے بہت انعام ملے گا۔ ابُوجہل نے آتے ہی محمّد سے کہا۔

"محمّد! مبارک ہو۔ خدا نے بھائی عطا کیا ہے۔ اگر اجازت ہو تو میں اپنا کام کروں؟"

رسُول ہنس روک کر فرماتے ہیں۔ "بچّے سے پُوچھ لو"

ابُوجہل آگے بڑھا۔ ایک ہاتھ میں سلائی پکڑی۔ ایک ہاتھ سے بچّے کی آنکھ کھولی اور ابھی سلائی آنکھ کے قریب ہی تھی کہ بچّے نے زوردار طمانچہ رسید کر دیا۔ گویا ابُو اِدھر رہ گیا اور جہل اُدھر رہ گیا۔ اور وہ یہ کہتا ہُوا وہاں سے بھاگ پڑا کہ "یہ خاندان بڑا جادُوگر ہے"

بزرگو!

اب معترض یہ کہتا ہے کہ

زیدی صاحب! شرم کرو۔ منبر پہ بیٹھ کر جھُوٹ بولتے ہو۔

بھلا تین دن کے بچے میں اتنی طاقت آسکتی ہے کہ وہ طمانچہ مارے"

میں کہتا ہوں۔ **بھائیو!**

اس شخص کے برابر کا تو کوئی بُرا ہے ہی نہیں جو منبر پہ بیٹھ کے جھوٹ بولتا ہو۔ **دیکھو نا!** یہ تو سیدھی سادھی بات ہے کہ اگر تین گھنٹے کا بچہ "عیسیٰؑ" بات کر سکتا ہے تو تین دن کا بچہ طمانچہ بھی مار سکتا ہے۔ اس میں جھگڑے کی کیا بات ہے،

اب معترض کہتا ہے۔

زیدی صاحب! بات کرنا اور چیز ہے اور طمانچہ مارنا اور چیز ہے "

میں کہتا ہوں۔ مولوی صاحبان!

جھگڑے میں نہ پڑو۔ دیکھو نا! بقول تمہارے عیسیٰؑ "کلمۃ اللہ" تھا لہٰذا اس نے بات کرلی، اور یہ بچہ "ید اللہ" تھا لہٰذا اس نے طمانچہ مار دیا۔ اور اگر اب بھی سمجھ نہ آئے تو ہمارے پنجاب کا یہ محاورہ بھی سن لو۔ کہ "کمزور کی بات" چلے۔ اور "طاقتور کا ہاتھ" چلے ___

حضور والا!

آج کعبہ کی قسمت ہی پلٹ گئی۔ آج کعبہ کی شان ہی بدل گئی۔ آج کعبہ کا انداز ہی بدل گیا۔ ادھر بچہ رسولؐ کے سینے پہ پلتا رہا۔ زبان رسولؐ چوس کے پرورش پاتا رہا اور جتنا اس نے پینا تھا پی لیا اور جو علیؑ سے باقی بچا وہ علیؑ کے بچوں نے باپ کا مال سمجھ کے پینا شروع کر دیا۔ بہرکیف علیؑ رسولؐ کے سینے پہ پلتا رہا۔ یہاں تک کہ جوں جوں اس بچے کا سن بڑھتا رہا توں توں رسولؐ کا دل بڑھتا رہا۔ رسولؐ کی طاقت بڑھتی رہی، رسولؐ کی شان بڑھتی رہی اور جب دس گیارہ سال

کا ہوا تو اللہ کو بھی جوش آگیا۔

محمدؐ! تھکتے بھی ہو۔ بس اب انتظار کی گھڑیاں ختم ہوگئیں۔ لہٰذا اب اعلان کردو۔ کہ ہم رسولؐ ہیں کیونکہ تیرے مددگار کو ماشاءاللہ اب کافی طاقت آگئی ہے۔ مگر عوام سے بات نہ کرنا بلکہ پہلے اپنے گھر والوں سے بات کرو۔

چنانچہ رسولؐ نے گھر والے بلا لیئے۔ تقریباً چالیس بنی ہاشم گاؤ تکیہ لگا کے بیٹھ گئے۔ ان میں حضرت ابولہب بھی ہیں۔ حضرت عتبہ ہیں۔ حضرت عقیبہ ہیں۔ حضرت شعبہ ہیں۔ آخر اقرب تو ہیں نا۔ یہ اور بات ہے کہ "ع" سے عقرب ہیں مگر ہیں تو "اقرب"۔ بہرنوع سب حضرات تشریف فرما ہیں اور ایک کونے میں حضرت ابی طالبؑ بھی تشریف فرما ہیں۔ اور اُدھر ایک طرف دس برس کا بچہ بیٹھا ہوا کھیل رہا ہے۔ بہرکیف جب سب اکٹھے ہو گئے تو رسولؐ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے یہ "لسانُ اللہ" کی پہلی تقریر ہے۔ جو کبھی نہیں بولا اس کا پہلا خطبہ ہے۔ سامعین یہ رسولؐ کی پہلی تقریر ہے۔

سامعین!

آپ کو معلوم ہے کہ کسی حاکم کی پہلی تقریر اس کی پوری حکومت کی پالیسی ہوتی ہے لہٰذا آج رسولؐ کی پہلی تقریر اس کی ساری زندگی کا خلاصہ ہوگا۔ ادھر رسولؐ تقریر کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اُدھر ساری کائنات رسولؐ کی تقریر سُننے کیلئے متوجہ ہوئی۔ درخت کا ایک ایک پتّہ سننے کے لیے کان بن گیا۔ ذرّے گوش ہوا پہ سننے کے لیے سوار ہو گئے۔ زمین پہ لیٹی ہوئی نازک بیلیں سُننے کے لئے درختوں پہ چڑھ گئیں۔ زمین و آسمان کی فضا سُننے کے لیے ٹھہر گئی اور چلتی ہوئی ہوائیں سُننے کے لیے رُک گئیں۔ اور رسولؐ نے تقریر شروع کر دی۔

لوگو! میں تمہارے لئے دُنیا و آخرت کی خوبی لیکر آیا ہوں۔

اگر میری بات مان لوگے تو دنیا کی خوبی بھی تمہیں ملے گی اور آخرت کی خوبی بھی تمہیں ملے گی۔ گویا قیصر وکسریٰ کے تاج تمہارے قدموں کے نیچے ہوں گے۔

بولو! تم میں سے کون ہے جو میری مدد کرے؟"

رسُول کی یہ بات سُنکر تمام لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اشارے کئے خاموش ہو گئے۔ دوسری دفعہ رسُول نے پھر فرمایا! "کون ہے جو میری مدد کرے؟! مگر جب کہیں سے جواب نہ آیا۔ تو دُنیا نے دیکھا کہ ایک دم زمین و آسمان میں زلزلہ پیدا ہوا۔ کائنات لرز اُٹھی اور چشم فلک نے ستاروں کی عینک لگا کے س منظر کو دیکھا۔ جبرئیل نے سدرہ سے سر پہ تاج چڑھا کے دیکھا۔ حوروں نے جنت کے دریچے کھول دیئے۔ کوثر کے منہ میں پانی بھر آیا۔ سبیل نے سبیل نکال کے ت سن لی کر۔ گیارہ سال کا بچہ کونے سے اٹھا اور عرض کی۔

"حضور! پھر فرمایئے کیا حکم ہے!"

رسُول نے فرمایا۔

"بیٹا! ہم یہ کہہ رہے تھے کہ کون ہے جو ہماری مدد کرے"

یہ سُنکر بچے نے ایڑیاں اٹھالیں اور کہا۔ أَنَا نَاصِرٌ یَارَسُولَ اللّٰہ

"یارسُول اللہ! میں تیرا ناصر و مددگار ہوں"

سامعین!

"یا محمد" نہیں کہا بلکہ "یارسُول اللّٰہ" کہا۔ اگر "یا محمد" کہتے تو محمد کی زندگی تک ساتھ ہوتا مگر یا "رسُول اللّٰہ" کے معنی یہ ہیں کہ جب تک تیری "رسالت" ہے جب تک میری "نصرت" تیرے ساتھ ہے"

بچے کی یہ ادا دیکھ کے رسُول مسکرائے اور فرمایا۔ "بیٹا! سو تو لو"

بچے نے عرض کی۔

حضور! سوچ لیا"

"بیٹا! غور کر لو۔"

"حضور! کر لیا"

"بیٹا! یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے"

"حضور! میں جان پہ کھیل کے کہہ رہا ہوں"

"بیٹا! یہ بڑا مشکل مرحلہ ہے"

"حضور! گھبراؤ نہیں۔ میں بھی مشکل کشا ہوں۔ فکر نہ کرو تمہارے دشمنوں کی آنکھیں نکال دوں گا۔ تمہارے دشمنوں کے پیٹ پھاڑ دوں گا۔ تم بے شک جو کہنا چاہو کہو۔ اور جو کرنا چاہو۔ کرو۔ کیا مجال کسی کی جو تمہارے پروگرام میں رکاوٹ ڈالے جب تک تیری رسالت ہے میں ساتھ دوں گا"

بزرگانِ من!

علیؑ یہ کہہ رہے تھے اور ابی طالبؑ سر جھکائے الحمد للہ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ اور یاد رکھو! علیؑ نے رسولؐ سے اتنا پکا وعدہ کیا ہے کہ اس سے زیادہ پکا وعدہ کوئی ہو سکتا ہی نہیں تھا۔

دیکھو نا! دیوار کی دوسری طرف حکومت بٹ رہی تھی مگر رسولؐ کا ساتھ دینے کا پکا وعدہ کرنے والا رسولؐ کی میت لئے بیٹھا رہا۔ گویا اس سے بہتر ساتھ تو کسی نے دیا ہی نہیں۔

توجہ ہے نا صاحبان!

علیؑ نے رسولؐ سے کہہ دیا۔ میں ساتھ دوں گا۔ اور میرے بچے انشاءاللہ آپ کا ساتھ دیں گے۔ میری پوری نسل آپ کا ساتھ دے گی۔ آپ گھبرائیں نہیں آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ قیامت تک میری مدد آپ کے ساتھ رہے گی۔ اور محمدؐ یاد رکھو! میں اسطرح ساتھ

دوں گا کہ دین پھیلے گا اللہ کا۔ کلمہ پڑھا جائے گا محمدؐ کا اور کنبہ کٹ جائے گا علیؑ کا۔"

میرے عزیز بچو!

اگر کنبہ کٹ جانے تک ہی بات ختم ہو جاتی تو غنیمت تھا۔ مگر کنبہ کٹ جانے تک بات ختم نہیں ہوئی بلکہ یوں کہئے کہ علیؑ نے رسولؐ سے یہ کہا کہ "قبلہ! دین اللہ کا پھیلے گا۔ کلمہ تیرا پڑھا جائے گا اور بہو بیٹیاں میری قید ہو جائیں گی"۔ کیونکہ نوجوانوں کا کٹ مرنا اور بات ہے اور بہو بیٹیوں کا قید ہونا اور بات ہے۔ اور محمدؐ دیکھو! میری بیٹیاں ہی نہیں بلکہ میری بہوئیں جو غیر خاندان سے آئی ہیں وہ بھی تیرے دین کی خاطر میری بیٹیوں سے بڑھ کر قربانی دیں گی۔ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں"

نوجوانو! مجھے معاف کرنا۔ میری کہانی ہی کچھ ایسی ہے۔ میں مجبور ہوں ورنہ میرا جی نہیں چاہتا کہ تم رو پڑو۔

دیکھو نا! زینبؑ کی قربانی ہو تو وہ علیؑ کی بیٹی ہے۔ لہٰذا اس کی شان اور ام کلثومؑ کی قربانی کا انداز اور ہے مگر جو علیؑ کے گھر میں غیر خاندان کی آئی تھیں۔ ذرا ان کی قربانی کی شان دیکھو۔

محترم سامعین!

مجھے آپ ٹھنڈے دل سے سوچ کر بتائیں کہ اگر ایک خاتون بیوہ ہو جائے اور اس کی گود میں ایک بچہ ہو تو اس کے تمام جذبات کا مرکز و محور وہی بیٹا ہوتا ہے۔ وہ بیوہ اپنی ساری زندگی اس بچے کے سہارے گذار دیتی ہے کہ یہ جوان ہوگا۔ اس کی شادی کروں گی۔ اس کے سہرا باندھوں گی۔ اس کا گھر بسے گا اور میں دوبارہ آباد ہوں گی۔ گویا ایک بیوہ کی توجہ کا مرکز اس کا بیٹا ہوتا ہے۔

حضور والا!

سنہ ۶۱ھ میں حسنؑ کی شہادت ہوئی۔ بوقت شہادت حسنؑ کی بیوہ اپنے شوہر کے سامنے

کھڑی ہے۔ گود میں دو سال کا بچہ ہے اور اپنے شوہر سے کہہ رہی ہے۔

"میرے سرتاج! میرے لئے کیا حکم ہے؟

حضور حسنِ مجتبےٰ نے ارشاد فرمایا:" قاسم کی ماں! تو اپنی ساری زندگی اس بچے کے ساتھ گذار دے۔ یہ بچہ قیامت تک تیرے نام کو قائم و باقی رکھے گا"

بہرکیف امام حسنؑ مجتبےٰ کی رحلت ہو گئی اور قاسم کی ماں قاسم کو گود میں اٹھا کر زینب کے پاس روزانہ آتی اور فرماتی۔

"بی بی! میں تو غیر خاندان کی ہوں۔ اُمتی ہوں۔ آپ سادات ہیں اور یہ بچہ آپ کا ہے۔ اب اتنے سال کا ہو گیا میں نے اس کے لئے یہ لباس تیار کیا ہے۔ بی بی! دیر نہ کرنا۔ جب چودہ سال کا ہو جائے تو اس کی شادی کر دینا۔ بی بی! مجھے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ میں ایک دفعہ قاسم کے چہرہ پر سہرا دیکھنا چاہتی ہوں"

بس بھائیو! قاسم کو تیرھواں سال ہوا تو حسینؑ کے ساتھ کربلا میں آ گیا۔ اور قاسم کی ماں نے قاسم کی شادی کے سارے کپڑے اپنے ساتھ اُٹھا لئے تاکہ ہو سکتا ہے راستے میں ضرورت پڑ جائے۔

محترم سامعین!

کربلا میں دن گذرتے گئے۔ حتیٰ کہ عاشورہ کی شب آ گئی اور امام خیمے سے واپس ہو کر جب مصلے پہ جا کے بیٹھے تو قاسم ماں کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی۔

"اماں! ہر بی بی نے مولا سے اپنے بیٹے کے لئے کل کی اجازت مانگی ہے۔ لہٰذا میں بھی اپنے لئے اجازت مانگ لوں؟"

قاسم کی ماں نے کہا، "ہاں بیٹا! جاؤ۔ حسینؑ سے تم بھی اجازت مانگو"

بہرکیف قاسم وہاں تشریف لائے جہاں امام مصلے پہ بیٹھے معبودِ حقیقی کے ساتھ راز و نیاز کی

باتیں کر رہے تھے۔ قاسمؑ نے آتے ہی سلام کیا ۔" چچا جان ! سلام "
امامؑ نے سر اٹھاتے ہی دیکھا اور فرمایا۔

" قاسم بیٹا ! تم رات کو کیوں گھر سے باہر آئے ۔ جاؤ میرے لعل !
اپنی اماں کے پاس جاکر آرام کرو " امامؑ نے جو یہ کہا تو دل بھر آیا ۔ چنانچہ قاسمؑ کو گود میں بٹھاکر بھائی حسنؑ کو یاد کیا ۔

" قاسم بیٹا ! تجھ سے بھائی حسنؑ کی خوشبو آرہی ہے ۔ ہائے بھائی حسنؑ !
آج حسینؑ اکیلا رہ گیا " ۔ تھوڑی دیر بعد حسینؑ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔

" قاسم بیٹا ! جاؤ ۔ گھر میں جاکر آرام کرو "

قاسمؑ نے کہا ۔" مولا ! ایک بات پوچھنا ہوں "

امامؑ نے فرمایا ۔ ھاں بیٹا ! پوچھو ۔ کیا بات ہے ؟"

قاسمؑ نے عرض کی ۔" مولا ! کل کے شہید ہونے والوں میں میرا نام ہے ؟"
امامؑ نے سمجھا کہ بارہ سال کا بچہ ہے ۔ اللہ جانے سن کے دل پہ کیا اثر ہے ۔ چنانچہ بہلاتے ہوئے یہ فرمایا ۔

" قاسم بیٹا ! تم تو بڑے ہو ۔ تمہارے چھوٹے بھائی اصغرؑ کا نام بھی ہے "

بس بھائیو ! اب جو مولاؑ نے اصغرؑ کا نام لیا تو قاسمؑ یا بیٹھا تھا یا کھڑا ہو گیا
اور لنگڑاں جدل تو عبا کے بند ٹوٹ گئے اور بھرائی آواز میں فرمایا ۔

" مولا ! ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے ۔ کیا یہ بے حیا فوج اصغرؑ کے گہوارے
تک پہنچ جائے گی ؟ "

قاسمؑ کی اس ادا پہ امامؑ کو پیار آ گیا ۔ گود میں اٹھایا ۔ پیار کیا ۔

" قاسم بیٹا ! کس کی مجال ہے کہ تمہاری زندگی میں کوئی خیموں تک آجائے "

بہر نوع قاسمؑ اٹھے ۔ ماں کے پاس آئے اور کہا ۔

• اماں! میرا یہ لباس اتار دو اور فقیروں والا لباس مجھے پہنا دو۔ میں ابھی رات کے اندھیرے میں اپنے و[illegible] کی قبر پہ جانا چاہتا ہوں۔ وہاں بیٹھ کے کہوں گا۔

• [illegible] بابا جان! مجھے حسین نے مرنے کی اجازت نہیں دی"

قاسم کی بیوہ ماں نے جو یہ سُنا تو کہا۔

• بیٹا! گھبراؤ نہیں۔ میں تمہیں اجازت دلواتی ہوں" چنانچہ ایک ہاتھ میں عاصہ لیا اور ایک ہاتھ میں قاسم کا ہاتھ پکڑا اور حسین کی پشت کی طرف آکر کھڑی ہو گئی اور عرض کی "حسین ! اگر آپ کے بھائی زندہ ہوتے تو میں نہ آتی۔ تیری بیوہ بھاوجہ آج تجھ سے قاسم کی موت کی بھیک مانگنے آئی ہوں"

امام نے جواب میں فرمایا۔

"بھابی جان! آپ نے کیوں تکلیف فرمائی۔ میں خود ہی حاضر ہو جاتا۔ کہو کیا بات ہے!"

قاسم کی ماں نے عرض کی۔

حسین ! میں تیرے یتیم بھتیجے قاسم کو لائی ہوں اسے بتا دو کہ کل کے شہید ہونے والوں میں اس کا نام بھی ہے۔ حسین ! دیکھو میں سیدانی نہیں ہوں۔ غیر خاندان کی ہوں۔ کل کے مرنے والوں میں اگر قاسم نہ تھا تو میرا دودھ بدنام ہو گا۔ لہٰذا مجھے بتا دو کہ یہ بھی شہید ہو گا"

چنانچہ حسین نے قاسم کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ گویا اجازت مل گئی۔ ادھر قاسم کی ماں خوشی خوشی خیمے میں واپس آئی اور زینب سے کہا۔

"بی بی زینب ! مجھے مبارک دو۔ کل کے مرنے والوں میں قاسم کا نام بھی ہے"

سامعین!

رات کا پچھلا پہر تھا اور حسن کی بیوہ نے اپنے ساتھ آئے ہوئے صندوق کھولے۔

قاسمؑ کی شادی کے جتنے جوڑے بنائے تھے ایک ایک کرکے پہنائے اور اسی عالم میں صبح ہوگئی۔ اور صبح کو جب میدان شہادت گرم ہوگیا اور جب قاسمؑ کی باری آئی تو حسینؑ اپنے چھوٹے بھائی عباسؑ غازی سے پوچھتے رہیں: "عباسؑ بھائی! ابھی چھوٹے یتیم بھتیجے کی باری نہیں آئی؟

عباسؑ نے عرض کی "مولا! قاسمؑ کے بدن پہ کوئی ذرہ پوری نہیں آتی۔"

عباسؑ کا یہ کہنا تھا کہ خیمے سے قاسمؑ کی ماں نے آواز دی۔

"عباسؑ بھائی! ذرہ وہ پہنتے ہیں جو لڑنے جائیں۔ چونکہ میں اسے مرنے بھیج رہی ہوں اس لئے تم اسے بغیر ذرہ ہی کے بھیج دو۔"

اس کے بعد قاسمؑ کی ماں نے قاسمؑ کو بلاکر سبز کرتا پہنایا اور حسینؑ نے بھائی حسنؑ والا سُرخ امامہ باندھا اور امامؑ نے گود میں لیکر گھوڑے پر بٹھایا اور قاسمؑ میدان میں آگئے۔

عزادار سید الشہداء!

میں اپنی گفتگو یہاں آکر ختم کرتا ہوں کہ تھوڑی دیر بعد میدان سے آواز آئی اب تک جتنے شہید گرے تھے چاہے اپنے تھے یا غیر سب نے گرتے وقت حسینؑ کو پکارا تھا مگر قاسمؑ اتنا کمسن تھا کہ اس نے گرتے وقت حسینؑ کو نہیں پکارا بلکہ ایک دم گھبرا کے آواز دی۔

"اماں! میں گر گیا"

گویا قاسمؑ کی معصومیت کی بات تھی کہ اس نے گرتے وقت ماں کو پکارا۔ بہرنوع قاسمؑ کی آواز پر حسینؑ چلے۔ میدان میں پہنچے۔ قاسمؑ کی میّت دیکھی اور فرمایا۔

"قاسمؑ بیٹا! مجھے معاف کرنا۔ میں ذرا دیر سے پہنچا ہوں۔" یہ کہہ کر حسینؑ نے اپنی عبائے مبارک کندھے سے اتاری اور زمین پہ بچھادی اور میّت کا ایک ایک

ٹکڑا اٹھا کر عبا میں رکھا۔ گویا بنی ہاشم کا نازک ترین شہزادہ اپنی زندگی ہی میں پامال ہوگیا۔ حسینؑ قاسمؑ کی لاش کے ٹکڑوں کی گٹھڑی اٹھا کے خیمے میں لے آئے۔ اِدھر ماں یہ سمجھی کہ حسینؑ لاش نہیں لائے۔ فرمایا۔

"حسینؑ ! قاسمؑ کی لاش نہیں لائے۔ میں بیوہ ہوں۔ کیسے بھیجوں ؟"

حسینؑ نے فرمایا۔

بھابی ! آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ میں قاسمؑ کی لاش لایا ہوں۔ مگر شاید آپ دیکھ نہ سکیں گی۔

قاسمؑ کی ماں نے کہا۔

"**حسینؑ** ! مجھے دکھاؤ قاسمؑ کی لاش۔ آخر بات کیا ہے۔"

یہ سُن کر امامؑ نے گٹھڑی قاسمؑ کی ماں کے سامنے رکھ دی۔ اب جو قاسمؑ کی ماں نے بیٹے کی لاش کے ٹکڑے دیکھے تو بلند آواز سے فرمایا۔

"زینبؑ ! اِدھر آؤ۔

کلثومؑ ! اِدھر آؤ۔

بی بیو ! اِدھر آؤ۔

مجھے مبارک باد دو کہ میری قربانی سب سے زیادہ قبول ہوئی ہے۔ آج میرے بچے کی شادی ہوئی ہے۔"

اُدھر حسینؑ نے اس خیال سے کہ کہیں ماں نہ مر جائے، قاسمؑ کی لاش کو اٹھایا اور میدان میں لے گئے اور اکبرؑ کے لاشے کے ساتھ رکھ دیا اور دونوں لاشوں کے بیچ میں بیٹھ کر ایک ہاتھ قاسمؑ کی لاش پر اور ایک ہاتھ اکبرؑ کی لاش پر رکھ کر آسمان کی طرف رُخ کر کے بلند آواز میں فرمایا۔

"وَاغربتا" "یااللہ ! میں غریب ہوگیا۔"

محسن اعظم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خداوند عزّ اسمہٗ وجل جلالہٗ کی حمد و ثناء کے بعد حضرات محمدؐ و آلِ محمدؐ پر دُرود و سلام

حضراتِ گرامیٔ قدر!

قرآن مجید کی ہر چھوٹی آیت میں زندگی کا کوئی نہ کوئی اہم اصُول بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک آیت ہے "ھل جزاُ الاحسان الی الاحسان" اللہ نے اس آیۂ کریمہ میں لفظ "احسان" کو دو بار ادا کیا ہے۔ اور اس آیت کا ترجمہ مختصر وقت میں یہی ادا ہو سکتا ہے کہ "احسان کا کچھ بھی بدلہ نہیں سوائے احسان کے"

اگر تمہارے ساتھ کسی نے حُسنِ سلوک کیا ہے یا کوئی اچھی طرح پیش آیا ہے۔ اگر کسی نے تمہارے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے یا کوئی نیکی کی ہے تو اس کا بدلہ ضرور دو مگر نیکی کا بدلہ نیکی سے بھلائی کا بدلہ بھلائی سے۔ شرافت کا بدلہ شرافت سے ہونا چاہیئے۔ گویا یہ ایک اصُول ہے جو اللہ نے اس آیہ کریمہ میں بیان کر دیا ہے۔

بزرگانِ من!

اگر ہم اپنی ساری زندگی میں اس اصُول کو پلے باندھ لیں اور اس پر عمل کرتے رہیں تو دُنیا کے تقریباً نوّے فیصدی جھگڑے ہی ختم ہو جائیں۔ تمام فسادات ہی تقریباً ختم ہو جائیں یہ گویا ایک اصُولی بات ہے۔ لہٰذا اس اصُول کو ذہن میں رکھتے ہُوئے آج آپ سے عرض کرتا ہوں کہ۔

سامعینِ کرام! بتاؤ۔ تمہارا سب سے بڑا محسن کون ہے جس کا تم پر سب سے زیادہ احسان ہے؟۔

حاضرینِ مجلس!

تم جتنا چاہو، سوچ لو، آخر اسی محور پر آجاؤ گے کہ تمہارا سب سے بڑا محسن اگر کوئی ہے جسکے تم احسان کا بدلہ ادا کر سکتے ہو تو وہ محسن یہ ہے جس نے تمہیں عدم سے وجود دیا اور ناپید سے پیدا کیا۔ بتاؤ وہ محسنِ اعظم ہے یا نہیں؟ یقیناً وہ محسنِ اعظم ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ دیکھو نا! ایک وقت وہ تھا کہ ہم نہیں تھے مگر آج ہم ہیں اور ایک وقت وہ ہوگا جب ہم نہیں ہوں گے۔ گویا ہمارے اِدھر بھی "نہیں" ہے۔ ہمارے اُدھر بھی "نہیں" ہے۔ اور بیچ میں ہماری "ہے"

یاد رکھو! جب ہمارے محسن نے چاہا کہ جب ہم دنیا میں آئیں تو ہمیں آنا پڑا اور جب وہ کہے گا کہ "واپس جاؤ" تو چاہے ہم مرجائیں۔ ہمیں جانا پڑے گا۔ یہ اور بات کہ ہنسی خوشی اپنے پیروں سے چل کر نہیں جائیں گے تو چار بندے ہی اٹھا کر لے جائیں گے مگر جانا ضرور پڑے گا۔ اور جب تک وہ یہاں رکھے گا ہمیں رہنا پڑے گا۔ اگر خود جانے کی کوشش کریں گے تو حکومت خودکشی کے جرم میں سزا دے گی۔ یا اللہ حرام موت میں پکڑے گا۔ بہرنوع اللہ ہمیں جب تک رکھے گا۔ ہمیں رہنا پڑے گا اور جب بلائے گا۔ ہمیں جانا پڑے گا۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ ہم سے پوچھے بغیر ہی جب چاہا جہاں چاہا۔ جیسے چاہا بلا لیا۔ اور جس گھر میں چاہا بھیج دیا۔ چاہے امیر کے گھر میں۔ چاہے غریب کے گھر میں چاہے کسی کافر کے گھر میں۔ چاہے کسی مسلمان کے گھر میں۔ بہرنوع وہ کسی سے مشورہ نہیں لیتا وہ بندے کو بھی دیکھتا ہے اور گھر کو بھی دیکھتا ہے۔ جس کو جس گھر کے قابل سمجھتا ہے وہاں بھیج دیتا ہے۔ جسے دیکھتا ہے کہ یہ بندوں کے گھر کے قابل ہے اُسے بندے کے گھر بھیج دیا۔ اور جسے دیکھتا ہے کہ یہ اللہ کے گھر کے قابل ہے اُسے اللہ کے گھر بھیج دیا۔

بہرکیف ہمارا سب سے بڑا محسن ہمارا "اللہ" ہے۔ اس کے بعد دوسرا محسن وہ ہے جس نے ہمیں اللہ سے متعارف کروایا۔ ورنہ ہم کیا جانتے تھے کہ اللہ ہے

بھی یا نہیں ؟۔ ہم تو اپنی نادانی سے کئی لاکھوں چیزوں کو اللہ سمجھے بیٹھے تھے۔ لہٰذا آج ہم اس محسنِ اعظم کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے ہمیں لاکھوں دروازوں سے ہٹا کر ایک بابِ کریم کے دروازے پر بٹھا دیا۔ گویا ہم میں اتنی بے غیرتی اور بے حیائی تھی کہ ذر ذر جا کے بھیک مانگتے تھے۔ مگر اس محسنِ اعظم نے کہا "نہیں" ہر دروازے پر بھٹکنے سے بہتر ہے کہ ایک بابِ کریم پر بیٹھ جاؤ" لہٰذا آج ہم اس محسنِ اعظم کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس نے ہمارا تعارف اللہ سے کروا دیا۔

سامعین!

بہت سے کم فہم حضرات ہماری تقاریر سُن کے کہدیتے ہیں کہ شیعہ "غلو" کرتے ہیں کیونکہ یہ محمد و آلِ محمدؐ کو اللہ سے ملا دیتے ہیں"

میں کہتا ہوں۔ "نادانو! ہم محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اللہ سے کب ملاتے بلکہ محمدؐ و آلِ محمدؐ نے ہمیں اللہ سے ملا دیا ہے۔ ورنہ ہم تو اللہ کے واقف ہی نہیں تھے اگر وہ درمیان میں نہ ہوتے۔

حضور والا! ایمان سے بتاؤ۔ اگر محمدؐ و آلِ محمدؐ یہ کہہ دیتے کہ "ہم اللہ ہیں" تو کوئی طاقت اس کی تردید نہیں کر سکتی تھی۔ یہ تو ان کی عالی ظرفی ہے کہ انہوں نے اللہ کو اللہ رہنے دیا۔ ورنہ ان کے اللہ بننے کی کوئی تردید نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ باوجود ان کے انکار کرنے کے لوگ انہیں "اللہ" کہتے رہتے اور جب لوگ انہیں اللہ کہتے تھے تو وہ خوش نہیں ہوتے تھے بلکہ انہیں قتل کرتے تھے کہ "ہمیں اللہ مت کہو"

بزرگانِ من!

اگر کوئی بُرا مانے تو مانے مگر اصل بات منہ سے نکل ہی پڑتی ہے کہ۔ اے آلِ محمدؐ! تم کتنے عالی ظرف ہو کر تم اللہ بننا بھی اپنی توہین سمجھتے ہو؟ بہر نوع جو عالی ظرف انسان

لوگوں کے بنانے سے اللہ نہ بنتا ہو۔ وہ لوگوں کے بنانے سے حاکم یا خلیفہ کیا بنے گا۔
گویا محمد مصطفےٰ ہمارے محسن اعظم ہیں جنہوں نے ہمیں اللہ کا تعارف کروا دیا۔ ان کے
بعد زمانے میں ایسا انقلاب آیا کہ اللہ کا نام تو تھا یا نہیں بلکہ محمدؐ کا نام بھی دنیا سے مٹنے لگا۔
اب بتاؤ ! وہ ہمارا محسن اعظم ہے کہ نہیں جس نے خود مر کے محمدؐ کا نام نہ مٹنے
دیا۔ جس نے خود مٹ کر محمدؐ کا نام روشن کر دیا۔ وہ یقیناً ہمارا محسن اعظم ہے۔

لہٰذا بھائیو! تقاضائے فطرت یہی ہے۔ اور شرافت یہی ہے کہ جس نے
احسان کیا ہو تو اس کے احسان کا بدلہ احسان میں اتار دو۔ چاہے دُنیا کچھ کہے مگر اپنے
محسن کے احسان کو نہ بھولنا۔ یہی شرافت ہے اور یہی انسانیت ہے کہ حسینؑ نے کربلا میں کھڑے
ہو کر اللہ کے نام کو اور محمدؐ کے نام کو زندہ کر دیا۔ خدا کے نام کو حیات ابدی دے دی اور
محمدؐ کے نام کو حیات جاوید دے دی۔

خود ذبح ہو گیا مگر اپنے ان محسنوں کے نام کو زندہ رکھا۔

بہر نوع حسینؑ ہمارا محسن اعظم ہے جس نے ہم سب مسلمانوں پر احسان فرمایا ہے۔
لہٰذا یہ بات شرافت کے خلاف ہو گی اور انسانیت کے منافی ہو گی کہ اگر حسینؑ جیسے
محسن کو بھلا دیا جائے۔ گویا حسینؑ کو بھلا دینا انسانیت کی توہین ہے۔

عزیزو!

مذہب کی الجھنوں اور بالا دستی سے بالاتر ہو کر حسینؑ جیسے محسن کے نام کو یاد رکھنا
ہی عین شرافت ہے۔ حسینؑ کے لئے کوئی مذہب و ملت کی قید نہیں ہے۔ اگر مسلمان حسینؑ
کو ''امام'' کہتے ہیں تو لاکھوں ہندو بھی ''ہائے حسینؑ'' کہتے ہیں۔ گویا حسینؑ عالم
انسانیت کا محسن ہے۔ لہٰذا اللہ کا کوئی نام نہ لیتا اگر محمدؐ نہ ہوتے اور محمدؐ کا کوئی
نام نہ لیتا اگر حسینؑ نہ ہوتے۔ اور بات یہاں آکر ختم نہیں ہوتی بلکہ حسینؑ کا کوئی نام نہ
لیتا اگر کوفہ و شام کے بازاروں میں زینبؑ خطبات نہ پڑھتی۔

یاد رکھو!

ایک ویرانے میں لٹ جانے والے قافلے کو کون جان سکتا تھا۔ اگر زینبؑ نہ ہوتی اس وقت نہ تو کوئی ریڈیو وغیرہ تھے اور نہ ہی کوئی اور ذرائع تھے مگر یہ صرف زینبؑ کا احسان ہے کہ اس نے حسینؑ کو متعارف کروا دیا۔ حالانکہ حکومت کا ذریعہ اشاعت نہ تھا اس لئے کہ حکومت تو خود قاتل تھی۔ اب کون آ کر بتاتا کہ فلاں جنگل میں شہر کے کنارے ایک بے خبر قافلہ لٹ گیا ہے اگر کوفہ و شام کے بازاروں میں اونٹ کے منبر پہ بیٹھ کر ہاتھ گردن کے ساتھ بندھوا کر ننگے سر زینبؑ خطبات نہ پڑھتی۔ لہٰذا زینبؑ کا احسان ہے جس کی وجہ سے ہم حسینؑ سے متعارف ہو گئے۔ زینبؑ نے حسینؑ کو ایک ایک گھر پہنچایا ہے۔ بہر نوع حسینؑ کا ہم تک پہنچنا زینبؑ کا احسان ہے۔ اور دنیا میں جتنی بھی مجالس عزا ہو رہی ہیں ان تمام مجالس کی بانی زینبؑ ہے۔

سامعین!

ایک دن بہن بھائی کے درمیان ضد ہو گئی۔ اور زینبؑ نے کہدیا۔

"حسینؑ! جس باپ کا تو بیٹا ہے۔ اسی باپ کی میں بیٹی ہوں۔ جس ماں کا دودھ تو نے پیا ہے اسی ماں کا دودھ میں نے پیا ہے۔ جو تیرا نانا ہے وہی میرا نانا ہے اور جو تیرا دادا ہے وہی میرا دادا ہے۔

حسینؑ! تیرے سر پہ آبا کا عمامہ ہے مگر
دیکھ حسینؑ! میرے سر پہ اماں کی چادر ہے۔

لہٰذا حسینؑ! آج تیرا میرا مقابلہ ہے۔ اب بتا تو چاہتا کیا ہے!

حسینؑ نے فرمایا۔

۔ زینبؑ! آج میں اسلام کو بچانا چاہتا ہوں۔ آج میں مر کر نانا کے دین کو بچانا چاہتا ہوں"

زینبؑ نے کہا۔

"حسینؑ! میں تجھے روکتی نہیں۔ جو تیرا ارادہ ہے پورا کر مگر سن حسینؑ!
میرا تیرا بھی مقابلہ ہے۔ بے شک تو مر جا مگر
یاد رکھ حسینؑ! میں زینبؑ تجھ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں بھی تیرے
نام کو قیامت تک مرنے نہیں دوں گی۔ اگر بستی بستی، محلہ محلہ، گاؤں گاؤں
جا کر حسینؑ حسینؑ نہ کہلوا دیا تو فاطمہؑ کی بیٹی نہ کہنا۔

بس بھائیو! زینبؑ کا احسان ہے کہ آج ہم اپنے تمام کاروبار چھوڑ کر
محمدؐ کو حسینؑ کا پرسہ دے رہے ہیں اور زینبؑ کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔

"بی بی زینبؑ!
تیرا احسان ہے کہ تو نے حسینؑ جیسی قیمتی شے سے ہمیں متعارف کروا دیا۔ حسینؑ نے
بھی کربلا میں بیٹے شہید کروائے اور تو نے بھی اپنے بیٹے شہید کروا دیئے۔
بی بی! ہمیں معلوم ہے کہ دو بیٹے قربان کروا کے بھی حسینؑ کی نسل قیامت تک
باقی رہے گی مگر واہ رے زینبؑ! تو نے حسینؑ کی حفاظت میں اپنی پوری نسل ختم
کروا دی۔

بی بی! ہم تیرے ہر احسان کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور تیرا شکریہ ادا کرتے ہیں
کہ تو نے آج حسینؑ جیسی قیمتی شے ہم تک پہنچا دی۔

میرے بھائیو!
زینبؑ نے پہلی مجلس گیارہ محرم ۶۱ھ کو حسینؑ کے لاشے پر پڑھی۔ پھر کوفہ
کے بازاروں میں پڑھی۔ درباروں میں پڑھی۔ جب کوفہ کے ایک ایک محلہ میں پڑھ
لی تو راستے کے شہروں اور قصبوں میں پڑھتی رہی۔ پھر شام کے ملک میں حسینؑ کی مجلسیں
پڑھیں۔ یزید کے دربار میں پڑھیں۔ اور جب یزید نے کہا۔
"زینبؑ! تم مدینے جا سکتی ہو"
تو زینبؑ نے ایک مکان خالی کروا کے تین دن حسینؑ کی مجلس پڑھی۔ اور وہاں سے

جب مدینہ کے لئے روانہ ہوئی تو راستے میں پڑھتی رہی۔ اور جب مدینہ پہنچی تو پہلا کام یہ کیا کہ حسینؑ کی مجلس پڑھی۔

سامعین!

گذشتہ سال میں بھی مدینہ کی زیارت سے فیض یاب ہوا ہوں۔ جب مکہ سے مدینہ کے لئے چلا تو خدا جانے میرے ذہن میں کیا کیا تصورات منڈلا رہے تھے۔ اور جب ہماری گاڑی مدینہ کے قریب پہنچی تو ڈرائیور نے کہا۔

"مدینہ آگیا ہے"

میں نے دیکھا کہ دنیا خوشی منا رہی تھی اور لوگ ایک دوسرے سے بغل گیر ہو رہے تھے۔ مگر میں گاڑی سے نیچے اترا اور مدینہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا اور کہا۔

"مدینہ! تو ہی وہ مدینہ ہے نا جہاں حسینؑ رہتا تھا۔

اے مدینہ کی گلیو!

تم گواہ ہو نا کہ تم میں حسینؑ کھیلا کرتا تھا۔

اے مدینہ کے در و دیوار! تمہیں یاد ہے نا کہ یہاں حسینؑ اپنے نانا کے کندھے پہ بیٹھ کر چلا کرتا تھا"

بہرنوع زینبؑ نے مدینہ میں حسینؑ کی پہلی مجلس پڑھی اور جب اہل مدینہ کو پتہ چلا کہ مدینہ سے باہر حسینؑ کی بہن آئی ہے تو شہر کے سارے زن و مرد زینبؑ کے استقبال کے لئے آگئے اور ان لوگوں کی قیادت حضرت ام البنینؑ فرما رہی تھیں۔

سامعین!

علامہ کفائت حسین مرحوم و مغفور اپنی مجلس میں ایک فقرہ کہا کرتے تھے کہ جب ام البنینؑ اہلبیتؑ کے قافلے کے قریب آئی ہیں تو پہلا شخص جو قافلہ زینبؑ میں سے جناب ام البنین سے ملا وہ تھے حضور امام زین العابدین علیہ السلام۔

بائیس سال کا سن تھا۔ ایک سال کی قید بھگت کے آئے تھے۔ ام البنین نے امام کو جو آتے دیکھا تو پہچانا نہیں۔ چنانچہ امام زین العابدینؑ نے آگے بڑھ کر سلام

کیا۔ "دادی اماں! سلام"
ام البنین نے پوچھا "کون؟"
امامؑ نے جواب دیا۔
"اماں! مجھے پہچانو۔ میں زین العابدینؑ ہوں۔"
حافظ صاحب کہا کرتے تھے کہ امام کی یہ بات سن کر ام البنین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "بیٹا زین العابدینؑ! جوانی کی اس عمر میں تم اتنے بوڑھے ہو گئے"
"بیٹا! تمہاری داڑھی کیوں سفید ہو گئی"؟
بیٹا! زینبؑ کہاں ہے؟
زینبؑ نے قریب سے آواز دی۔
"اماں! میں یہاں کھڑی ہوں۔"
ام البنین آگے بڑھی۔ زینبؑ کو سینے سے لگا لیا۔ اور کہا۔
زینبؑ بیٹا! کوئی ناراضگی ہے۔؟
زینبؑ نے جواب دیا۔
"مجھے ملتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ میں تیرے بچوں کو چھوڑ کے آگئی ہوں۔ میں تیری اولاد کو ختم کر کے آگئی ہوں۔"

صاحبان!

ایک چھوٹے بچے نے ام البنینؑ کے پاؤں پکڑ لیئے۔"
ام البنینؑ پوچھتی ہیں۔
بیٹا! تم کون ہو؟"
بچہ جواب میں کہتا ہے۔
"اماں! میں تیرے عباسؑ کا یتیم بیٹا ہوں"

عزادار سید الشہداء!

جب ساری گفتگو ہو چکی تو ام البنینؑ پوچھتی ہیں۔

زینبؑ ! سناؤ۔ کربلا میں کیا گذری ؟

چنانچہ زینبؑ فرماتی رہی ۔ اماں ! کیا سنتی ہو۔ میں دیکھتی رہی اور میرے بھائی بھتیجے ۔ بیٹے اور اصحاب ذبح ہوتے رہے اور جب سناتے سناتے یہاں پہنچی کر حسینؑ گھوڑے سے گر گئے تو ام البنینؑ گھبرا کے کہتی ہے ۔

" ہائیں ۔ پھر کیا ہوا ؟

زینبؑ نے جواب دیا ۔

اماں ! پھر مجھے حسینؑ کی کوئی اطلاع نہ مل سکی ۔ میں دروازہ پہ بے چین کھڑی رہی مگر کوئی بتانے والا نہیں تھا کہ میرا بھائی کہاں ہے "

ام البنینؑ نے پوچھا ۔

زینبؑ ! پھر کس نے اطلاع دی ؟ "

فرمایا ۔

" اماں ! کوئی آدمی تو زندہ نہیں رہا تھا ۔

زینبؑ نے فرمایا " اماں ! مجھ پر احسان ہے حسینؑ کے گھوڑے کا جس نے مجھے آکر بتایا کہ زینبؑ ! تو یہاں کھڑی ہے اور حسینؑ گر گئے " ؛

سامعین ! بتاؤ ۔ حسینؑ کا گھوڑا ہمارا محسن ہے کہ نہیں ؟

آج ہم اس محسن کی شبیہ کے قدموں پر سر رکھنا باعثِ سعادت سمجھتے ہیں اسکو سلام کرنا باعثِ عزت سمجھتے ہیں کیونکہ یہ ہمارے محسن اعظم گھوڑے کی شبیہ ہے

۔ خداوند عالم بصدقہ محمدؐ و آل محمدؐ ہماری
مجلسوں کو قبول و منظور فرمائے ۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ